Mirza Idris Ahmad
1955

مشعلِ راہ!

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ

(قرآن کریم۔ سورۃ اعراف)

یعنی جو انسان ہم نے پیدا کئے ہیں اُن میں سے ایک گروہ ضرور ایسا ہے جس کے افراد حق کے ذریعہ سے دُنیا کو ہدایت دیتے ہیں اور حق کے ساتھ ہی دُنیا میں عدل قائم کرتے ہیں (اور حق ان باتوں اور اصولوں کو کہتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے جاتے ہیں) ✦

روشنی اور بلندی کا نشان

المنار

تعلیم الاسلام کالج۔ ربوہ

جلد ۵ — ماہ دسمبر ۱۹۵۵ء — شمارہ ۱

نگران:۔
پروفیسر بشارت الرحمٰن
ایم۔ اے

ترتیب دینے والے:۔
محمد اسلام بھٹی
آغا خالد سلیم
ناصر احمد پرویز

(اے۔ آر۔ رشید ہاشمی پرنٹر پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے شائع کیا۔)

لکھنے والے

تبرکات

نظم فارسی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ۴

اداریہ
علم و عمل ۵
جائزے ۶
یاد رفتگان ۸

نغمۂ روح

پروفیسر چوہدری محمد علی ایم۔اے ۱۷
" نصیر احمد خان ۱۸، ۱۹
قاصد ظریف ۲۰
افتخار احمد غازی ۲۱
ثاقب خوش پوری ۲۲
ایم۔ ایم خان پرویز ۲۳
افضل تمنا ۲۴
مظہر قیوم ظفر ۲۸

سرودِ زندگی

نعت ناصر نسیم
مناجات ایاز محمود احمد خان } ۹
"عزیزہ شاہدہ فیروزہ" صوفی عبدالعزیز ایم۔اے ۱۰
حمد عبدالسلام اختر ایم۔اے ۱۱
"آخوند عبدالقادر" منظور صبیح الظفر ۱۲
ستارے الیاس احمد شاہین ۵۴
نعت مبشر احمد طاہر ۱۳

جہاں نما

ان کی باتوں میں گلوں کی خوشبو — دانا اسلام داد خاں، ۲۵
..... اور الجھنیں سلجھ گئیں — یحییٰ فضلی، ۲۹
نوائے سحر گاہی — طاہر سلیم بھٹی، ۵۹

طنز و مزاح

یونہی — ابن احمد چنگوی، ۳۶
تعارف — شمیم احمد خالد، ۳۴
تعلیم الاسلام کالج کا جغرافیہ — محمد اسلام بھٹی، ۴۶
مزاح نویس — س۔ عباس، ۵۵

ادب لطیف

تخلیق سے قبل اور تخلیق کے بعد — آغا شاہین، ۲۹

مقالجات

مسلمان اور علم جغرافیہ — حمید اللہ خاں، ۴۱
مسلمان کا حال، ماضی اور مستقبل — ایاز محمود احمد خان، ۱۳
صبر و قناعت — کبریا احمد معظم، ۱۹

متفرقات

پگڈنڈیاں، ۵۱
اپیل — شاہ محمد نسفی، ۵۷
کالج سٹاف گزٹ، — ادارہ، ۶۴
ایک تخیل — الیاس احمد شاہین، ۶۴

درثمین

از کلام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

عجب نوریست در جانِ محمدؐ ✤ عجب لعلیست در کانِ محمدؐ

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان میں ایک عجیب نور ہے۔ محمد صلعم کی کان میں ایک عجیب و غریب لعل ہے

ز ظلمتہا دلے آنگہ شود صاف ✤ کہ گردد از محبانِ محمدؐ

دل اس وقت ظلمتوں سے پاک ہوتا ہے جب وہ محمد صلعم کے دوستوں میں داخل ہو جاتا ہے

عجب دارم دلِ آں ناکساں را ✤ کہ رُو تابند از خوانِ محمدؐ

میں اُن نالائقوں کے دلوں پر تعجب کرتا ہوں جو محمد صلعم کے دسترخوان سے منہ پھیرتے ہیں

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش ✤ محمدؐ ہست بُرہانِ محمدؐ

اگر تو اس کی سچائی کی دلیل چاہتا ہے تو اس کا عاشق بن جا کیونکہ محمدؐ ہی خود محمدؐ کی دلیل ہے

اَلا اے منکر از شانِ محمدؐ ✤ ہم از نُورِ نمایانِ محمدؐ

خبردار ہو جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نیز محمد صلعم کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے

کرامت گرچہ بے نام و نشان است ✤ بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

اگرچہ کرامت اب ہر جگہ مفقود ہے مگر آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علم و عمل

آج کا زمانہ عملی زمانہ ہے۔ بنی نوع انسان کی حیرت انگیز ترقی اور سائنسی ایجادات' یہ سب انسانی حسنِ عمل کی بدولت معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ اور جہاں تک قدرتی ذرائع اور وسائل کا تعلق ہے کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیوں' عناصر کی جدت طرازیوں ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیوں اور ابر و باد کی تندستیوں میں بھی عمل اور صرف عمل کا جذبہ ہی کارفرما ہے۔

ایک طالب علم کی زندگی خالصتاً عملی زندگی ہونی چاہیئے۔ اس کی زندگی کے ہر شعبے اور اس کی حرکت و سکون میں عمل کی روح ہونی ضروری ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج کا طالب علم عمل سے کوسوں دور اور علم سے بے بہرہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہماری ملی ترقی دن بدن دور ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اپنے اسلاف کی مثال کو لیجیئے' انہوں نے چیتھڑے پہن کر قیصر و کسریٰ کی قباؤں کو نوچ ڈالا۔ خود تنکوں پر رات کاٹی اور بڑے بڑے کجکلاہوں کے تاج و تخت روند ڈالے۔ اور دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک پرچم اسلام لہرا دیا۔ ان کے پاس کیا تھا؟ ایک لازوال تعلیم! اور بے نظیر حسنِ عمل! آج اس امانت کی حفاظت ہمیں سونپی گئی ہے جس امانت کے نور سے حیاتِ انسانی کا ایک ایک لمحہ منور ہوتا چلا آیا ہے' جس امانت کے فیض کے چشمے ازل سے لیکر آج تک ہر پیاسے انسان کو متمتع کرتے چلے آئے ہیں اور ابد تک کرتے چلے جائیں گے..... لیکن آج وہ امانت دہر کے ظلمت کدوں میں نور کی ایک ایک کرن کے لئے ترس رہی ہے۔ اس کے پاس نور ہے لیکن اسے اتنے دبیز پردوں میں چھپا دیا گیا ہے کہ وہ سراپا ظلمت معلوم ہو رہی ہے۔ ہمیں ان کہنہ اور بھیانک رسومات کو توڑنا ہوگا' ہمیں اپنے حسنِ عمل سے دنیا کے ظلمت کو نورِ حقیقی سے روشناس کرانا ہوگا' ہمیں عفت و عصمت سے بھرپور اس سسکتے ہوئے ہمارے دبے کس کو اپنے آہنی عزم سے حیاتِ بخشنی ہوگی اور ہمیں پھر دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونے تک اسلام کا ڈنکا بجانا ہوگا۔ لیکن ضرورت ہے حسنِ عمل کی۔ آؤ ہم مشکلات کے بحرِ عمیق میں موت سے بے پروا ہوتے ہوئے کود پڑیں کہ ؎

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

دنیا کی کوئی بھی قوت اگر ہمارے عمل سے ٹکرائے گی تو پاش پاش ہو جائے گی اور حوادث کے طوفان ہمارے مقصد میں مزاحم ہوں گے تو نابود ہو جائینگے اور اگر ظلمت کے عمیق سمندر ہماری راہ میں حائل ہوں گے تو پاٹ دیئے جائیں گے ___ مگر یہ شرط ہے ہم علم و عمل کی سند ہو جائیں +

(پرویز پراچی)

جائزے

المنار ایک سال کے طویل التوا کے بعد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ہم نے اَن تھک کوششوں سے آپ کے لئے اِس گلدستہ کو تیار کیا ہے۔ اگر آپ کو پسند آگیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہماری محنت بر آئی۔

المنار کی خوش قسمتی ہے کہ اِس بار لکھنے والوں میں کالج سٹاف کے دو ممبر مکرم پروفیسر محمد علی صاحب ایم۔ اے اور مکرم پروفیسر نصیر احمد خان صاحب بھی شامل ہیں۔ گو ہم نے کوشش تو یہ کی تھی کہ سب اساتذہ ہی اپنے شاگردوں کیلئے کچھ نہ کچھ لکھیں لیکن ہماری یہ آرزو پوری نہیں ہو سکی تاہم مذکورہ پروفیسران کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری درخواست کو درخورِ اعتناء سمجھتے ہوئے اپنے قیمتی کلام سے نوازا۔

ہماری خواہش تھی کہ المنار کو ترتیب دینے میں تمام طلباء ہمارے ساتھ تعاون کرتے۔ اس غرض کیلئے ہم نے بارہا نوٹس وغیرہ لگائے اور انفرادی طور پر ملاقات کے ذریعہ بھی مضامین حاصل کرنے کی کوشش کی تاہم ہمیں کالج کے باہر کے کچھ اصحاب سے مدد لینا پڑی ہے۔ وہ اصحاب مکرم عبدالسلام صاحب اختر ایم۔ اے اور مکرم یحییٰ فضلی صاحب اور مکرم مظفر سمیع اللہ صاحب ہیں۔ مکرم اختر صاحب کی نظم کی متعدد فرمائشیں آئی تھیں اسلئے ہم نے ان سے یہ نظم حاصل کی ہے۔ مکرم مظفر سمیع اللہ صاحب المنار کے بورڈ آف ایڈیٹرز کے ممبر رہے ہیں اسلئے ان کا المنار پر بہت حق ہے۔ اور مکرم یحییٰ فضلی صاحب افسانوی ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اس وجہ سے ہم نے ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے رشحات سے ہمیں نوازیں۔

ہم تینوں اصحاب کے ازحد شکور ہیں کہ انہوں نے ہمارے لئے یہ چیزیں مہیا فرمائیں۔

مکرم پروفیسر حمید اللہ خان صاحب ایم۔ اے کا مقالہ "مسلمان اور علم جغرافیہ" شاملِ اشاعت ہے۔ یہ مقالہ آپ نے اُس وقت سپردِ قلم فرمایا تھا جب آپ سالِ اوّل کے طالب علم تھے۔ "عربی سوسائٹی" کے شکریہ کے ساتھ ہم اِس مقالہ کو شائع کر رہے ہیں۔

ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ المنار کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنایا جائے اور ہم اس میں کافی حد تک کامیاب

بھی ہوئے ہیں۔ اس اشاعت میں کافی طنزیہ اور مزاحیہ مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ مکرم محمد اسلام صاحب بھٹی نے "تعلیم الاسلام کالج کا جغرافیہ" لکھا ہے جو آپ کے لئے انتہائی دلچسپی کا موجب ہوگا ——— ان کے علاوہ مکرم شمیم احمد صاحب خالد، مکرم س۔ منہاس صاحب اور ابن احمد چنگوی صاحب کے مضامین کے متعلق ہم اپنی رائے محفوظ رکھتے ہیں۔ آپ خود ان کی دلچسپی کا اندازہ پڑھنے سے لگا سکیں گے۔

اس کے علاوہ ہم نے آپ کی طرف سے بھیجی ہوئی تقریباً ہر چیز کو شامل کر لیا ہے۔ جن احباب کے ادب پارے شائع نہیں ہو سکے ان کو ہمت نہیں ہارنا چاہیئے۔ کیونکہ ہر چیز محنت کرنے سے آتی ہے۔ ماں کے پیٹ سے تو کوئی فنکار بن کر نہیں آتا۔

نئے لکھنے والوں میں مظہر قیوم ظفر صاحب، ایاز محمود احمد خان صاحب اور الیاس احمد شاہین صاحب شامل ہیں۔ ہم ان کے متعلق یہی دعا کرتے ہیں کہ ؎

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ!

---

۲۶ نومبر ۱۹۵۵ء کو تعلیم الاسلام کالج یونین کے زیر انتظام ایک آنریری طرحی مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں افتخار احمد غازی صاحب، تاب خوش پوری صاحب اور پرویز پروازی صاحب کی غزلیں اوّل، دوم اور سوم قرار پائی تھیں۔ اوّل اور دوم آنے والی غزلیں شریکِ اشاعت ہیں۔

ہم اپنے معاونین کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتے ہیں ——— اگلے شمارہ کے لئے آپ کے رشحات کا انتظار رہے گا ———!

ضروری تصحیح

مکرم صوفی عبد العزیز صاحب ایم۔ اے کی نظم "عزیزہ شاہدہ فیروز" میں پانچویں شعر میں سے ایک لفظ اڑ گیا ہے وہ شعر یوں پڑھا جائے ؎

شاہدہ کیوں دے کے ہم کو نیل اپنی کے نقوش
ہائے کیسا ناز ہے جو ہم سے جا بیٹھی ہے دور!

یادِ رفتگان

خُدا رحمت کُند آں عاشقانِ پاک طینت را

۱۹۵۵ء جماعت احمدیہ کے لئے رنج والم کا ایک نیا دَور لے کر طلوع ہوا تھا۔ اس سال سے ہماری جماعت کی چند نہایت ہی تلخ یادیں وابستہ ہیں۔ اس عرصہ میں ہم سے چند نہایت ہی قیمتی وجود رخصت ہو گئے۔

سب سے پہلے مکرم مولوی نذیر احمد صاحب علی رئیس التبلیغ سیرالیون نے وطن سے دُور مجاہدانہ حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس کے بعد حضرت اماں جانؓ محترم حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور ابھی یہ زخم مندمل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ مکرم حکیم فضل الرحمٰن صاحب سابق مبلغ افریقہ بھی ہم سے جُدا ہو گئے ——— اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مکرم ماسٹر محمد حسن صاحب آسان دہلوی اور مکرم مولوی عبدالمغنی خان صاحب سابق ناظر دعوۃ وتبلیغ اس بزم سے اُٹھ گئے ——— اسکے چند ماہ بعد مکرم صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔ اے سابق مبلغ امریکہ ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئے ———

ابھی ابھی میں یہ کالم ختم کر کے اُٹھا ہی تھا کہ یہ جانکاہ خبر میرے کانوں تک پہنچی کہ مکرم مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے ناظر امور خارجہ بھی وفات پا گئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

ان بزرگانِ سلسلہ نے جس محنت اور جانفشانی سے سلسلہ کی خدمات سرانجام دی ہیں سلسلہ کی تاریخ لکھنے والے انہیں فراموش نہیں کر سکیں گے۔ اور ان کے زرّیں کارنامے رہتی دُنیا تک عزت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔

ادارہ المنار اور کالج کے طلباء حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اور مرحومین کے لواحقین سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان عظیم ہستیوں کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سلسلہ کے لئے ان عظیم انسانوں کی جُدائی گو فی الوقت ناقابلِ برداشت ہے لیکن خدائی کام چلتے رہتے ہیں۔ خدا اور خدمت گار آگے لے آئے گا ——— اے خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تیرے دین کی خاطر جان، مال، عزت اور وقت کی قربانیاں دینے والے بنیں۔ اور دُنیاوی لذات ہمیں ہمارے ان فرائض سے بے نیاز نہ کر سکیں ——— اے خدا تو ہمیں توفیق بخش کہ تیرے سوا اور کسی کو یہ طاقت نہیں ———

آمین یا ارحم الراحمین

ناصر نسیم

نعت

ہوں مرے پیارے محمد مصطفیٰ پر رحمتیں
سیدِ کونین و خیر الوریٰ پر رحمتیں

لے گیا جو ظلمتوں میں آستانِ یار تک
کوچۂ دلدار کے اُس رہنما پر رحمتیں

جس کو مولا نے بنایا نازشِ ارض و سماء
لاکھوں ہوں اُس نازشِ ارض و سما پر رحمتیں

جس سے وابستہ ہیں ناصرؔ برکتیں کونین کی
بے شمار اُس مظہرِ نورِ خدا پر رحمتیں

ایاز محمود احمد خان

مناجات

میری خزاں کو یا رب رشکِ بہار کر دے
اُجڑے ہوئے چمن کو با برگ و بار کر دے

دُنیا کے مخمصوں سے صبر و سکوں عطا کر
اور اپنی جستجو میں دل بے قرار کر دے

ہر سمت ہے اندھیرا کوئی نہیں ہے رہبر
اپنے کرم سے مجھ کو راہِ ہدیٰ دکھا دے

تیرا ایاز یا رب محرومِ زندگی ہے
کر اس پہ مہربانی آبِ بقا پلا دے

صوفی عبدالعزیز صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر تعلیم الاسلام کالج

بر وفات حسرت آیات

عزیزہ شاہدہ فیروز مرحومہ

عمر سات سال

دختر نیک اختر جناب پروفیسر محمد عبدالقادر صاحب ایم اے
وائس پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ۔ ربوہ
تاریخ ولادت ۔ یکم مئی ۱۹۴۳ء ۔ بروز ہفتہ
تاریخ وفات ۔ ۱۱ جون ۱۹۸۰ء ۔ بروز ہفتہ

شاہدہ فیروز! تو دل کا ہمارے تھی سرور
تو گئی رخصت ہوئے اوسان و تسکین و شعور

تیرہ و تاراب یہ دنیا کیوں نہ ہو تیرے بغیر
تھی تجھی سے جان روشن تو ہی تھی آنکھوں کا نور

کس طرح دنیائے دوں میں جی بھلا لگتا ترا
جبکہ تھی تو شاہدہ! خلد بریں کی پاک حور

پیاری پیاری رس بھری باتیں تری آتی ہیں یاد
پیچھا تے شاہدہ! جب ہیں یہ خوش الحان طیور

شاہدہ! کیوں دے کے ہم کو اپنے کے نقوش
ہائے کیا ناز ہے جو ہم سے جا بیٹھی ہے دور

دل ہمارے تھے تری شاہد ہے تو اے شاہدہ!
ہجر میں لیکن ترے آ دیکھ ہیں سب چور چور

عبدالسلام اختر ایم۔ اے

مور

کون سے بن کا راجہ ہے تو کونسا دیس ہے تیرا
کس آشا سے اِس بستی میں آن بسایا ڈیرا
یہ چکر پر چکر تیرے یہ پھیرے پر پھیرا
اِس سنسار کی ریت انوکھی کوئی نہ تیرا میرا
رنگ رنگیلے چال سجیلی۔ بول سُہانے تیرے

جھوم رہا ہے جیسے اِک ساون کی بدلی کالی
جھجک جھجک کر دھیرے دھیرے ٹپکے ڈالی ڈالی
بس میں جیسے جھوم رہی ہو اِک ناگن متوالی
جیسے رستہ بھول گیا ہو پریم نگر کا والی
رنگ رنگیلے چال سجیلی۔ بول سُہانے تیرے

مور نہیں ہے چور ہے تُو یہ رنگ کہاں سے پائے
میری دُوپا بن گہنے ہی تاروں کو شرمائے
ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا پاؤں تھم تھم جائے
اِس سنسار میں راجہ اُس کی چال کہاں سے لائے
رنگ رنگیلے چال سجیلی۔ بول سُہانے تیرے

کلغی والے آنکھیں ہرن دیکھ رہی ہیں تجھ میں
عشق کی نازش حُسن کا جوبن دیکھ رہی ہیں تجھ میں
کیف سراپا۔ گلشن گلشن دیکھ رہی ہیں تجھ میں
اور اپنی اُمید کا مخزن دیکھ رہی ہیں تجھ میں
رنگ رنگیلے چال سجیلی۔ بول سُہانے تیرے

مظفر سمیع اللہ
بی۔اے (آنرز)

"اخوند عبدالقادر!"

عبدالقادر ایک بہار
جس سے آ کر پھول بکھیرے
جانے سب سنسار

○

عبدالقادر ایک ترانہ
جس کے میٹھے میٹھے نغمے
گائے ایک زمانہ

○

عبدالقادر ہے اک ساز
جس کے تار لرز اٹھنے پر
کہہ دیں گے سب راز

○

عبدالقادر ایک سمندر
جس کی تہہ سے موتی چن کر
بنا ہے دل کا مندر

○

عبدالقادر ایک کتاب
پڑھتے جاؤ ختم نہ ہوگی
اس کے لاکھوں باب

○

عبدالقادر ایک ستارہ
رات کی تاریکی میں چمکے
دُکھیا ـــــ غم کا مارا

○

عبدالقادر ایک استاد
جس سے لاکھوں فیض اٹھائیں
جس کو رکھیں یاد

○

عبدالقادر ایک پٹھان
طوفانوں سے خوف نہ کھائے
اِک پُرعزم انسان

○

عبدالقادر مٹ نہ سکے گا
عبدالقادر یاد رہے گا

(۹ مارچ ۱۹۵۵ء کو کہی گئی)

ایاز محمود احمد خان
سال اوّل

مسلمان کا حال، ماضی اور مستقبل

صدیوں اور برسوں سے زندہ اور حکمران چلی آنے والی قوم، وہ قوم جس نے ظالم اور مظلوم دونوں کی مدد کی۔ وہ قوم جس نے شیر اور بکری کو ایک گھاٹ پانی پلایا۔ وہ قوم جس نے اپنے مغلوب اور محکوم کو ہر طرح کی آزادی دی۔ وہ قوم جس کا مدعا ابتدا سے لے کر انتہا تک صلح و آشتی کی روح پھونکنا تھا۔ آج اس قوم کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ وہ قوم آج ذلت اور بدبختی کے گہرے اور تاریک گڑھے میں گری ہوئی ہے۔ وہی قوم پستی کی ایک ایسی وادی تک پہنچ چکی ہے جہاں نظر دوڑانے سے تو کیا شمع لے کر ڈھونڈنے سے بھی روشنی نہیں مل سکتی۔ وہ قوم جو اپنی جوانمردی اور بہادری سے مشرق میں سائے بیریا تو مغرب میں فرانس کے سپوتوں سے ٹکرا رہی تھی آج وہی قوم اپنے گھروں سے نکالی جا رہی ہے۔

وہی قوم جس کے متعلق عیسائی مفکر نے کہا تھا "اگر یہ قوم چند سال اور اسی طرح رہی تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے بعد دنیا میں حکومت کرنے والا کوئی نہ ہوگا" —— افسوس وہ آندھی اپنی یکسانیت میں نہ رہی اور وہ جلد ہی اپنی تیزی کھو بیٹھی۔ مسلمان اپنی اسی حالت میں نہ رہے اور وہ جلد ہی بدل گئے۔ انہوں نے اپنی شمشیر کو باہر نکالا ہی تھا کہ وہ ان سے چھن گئی۔ مسلمان عیش و عشرت میں محو ہو گئے۔ مسلمانوں نے غداریاں شروع کیں۔ وہ مسلمان جو کسی غیر کی جان کا محافظ کہلاتا تھا اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی کو ذبح کیا۔ وہ مسلمان جو ہزاروں کے ساتھ اکیلا میدانِ جنگ میں لڑا کرتا تھا۔ آج ان چند آدمیوں کے ہاتھ اپنی عزت کا سودا کر رہا تھا۔ یہ وہی مسلمان ہے جس نے اپنے کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں میدانِ جنگ میں گزار دیں اور آج اپنے عالی شان محلوں میں رنگ رلیاں منا رہا ہے۔

دسویں صدی ہجری میں مسلمانوں سے تقریباً تمام علاقے چھن چکے تھے۔ سوائے چند ان علاقوں کے جو ایسے تھے کہ جن پر حکومت تو مسلمانوں کی تھی مگر وہ بھی عیسائیوں کے تابع تھے۔ جب عیسائیوں نے مسلمانوں کو اندلس سے نکالا تو ان پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ جن کے لکھنے سے قلم بھی ہچکچاہٹ محسوس کرتا ہے۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے خاندانوں کو نیست و نابود کیا گیا۔ مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ انہیں ننگا کر کے گھروں سے نکالا گیا۔ غرض وہ تمام مظالم جن کی طاقت خدا نے انسان کے ہاتھ میں رکھی ہوتی ہے اس دن عیسائیوں نے کر دکھائے۔ پھر فرانسیسیوں نے مراکش، ٹیونس اور الجیریا پر اپنے ہاتھ پاؤں ایسے جمائے کہ آج تک ان کو آزادی کا سانس لینا نصیب نہیں ہوا۔ (اب اگرچہ مراکش اور ٹیونس کو تھوڑے بہت حقوقِ آزادی مل گئے ہیں) اسی طرح عیسائیوں نے ترکوں سے وہ تمام علاقے چھین لئے جو ایشیائے کوچک کہلاتے تھے۔

۔دوا نہیں ایک محدود سی جگہ میں بند کر دیا۔ عرب کے جنوبی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ یعنی عرب کی شاہ رگ عدن پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح ہندوستان جس پر مسلمانوں نے سات سو (۷۰۰) سال تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی آج سے آٹھ سال قبل عیسائیوں کے تلوے چاٹ رہا تھا اور وہ قوم جو کہ صدیوں سے حاکم تھی آج کل محکوم ہے اور تصور بھی نہیں کر سکتی کہ وہ بھی کسی دن پھر اسی طرح دنیا پر جلوہ افروز ہوگی۔

مسلمان قوم اب نام کے اعتبار سے مسلمان ہے مگر اپنے ظاہری و باطنی اخلاق، اپنے کردار، اپنے افعال اور اپنے مقاصد کے لحاظ سے مسلمان نہیں۔ اس کے وہ اخلاق نہیں جو پہلے مسلمانوں کے تھے۔ وہ کردار نہیں جو پہلے مسلمانوں کا تھا۔ اور نہ ہی وہ مقاصد اور اخلاق ہیں جو پہلے مسلمانوں کے تھے ——— اس زمانے میں مسلمان خوش اخلاق، اعلیٰ کردار، اچھے افعال اور پاکیزہ مقاصد کے مالک تھے۔ لیکن آج کے مسلمان بد اخلاق، بد کردار، بد افعال اور گندے مقاصد کے لئے اپنے بھائی کا خون چوستے اور اُسے دغا دینے کی فکر میں دن رات بسر کرتے ہیں۔ یہ وہی قوم ہے جس کے افراد غیر کے لئے بھی یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ میدانِ جنگ میں بغیر اسلحہ کے ان کے مقابل پر آئے لیکن آج کا مسلمان نہتے، بے کس اور مظلوم بھائی کو بھی دھوکا دے کر مارے گا۔ وہ مسلمان جو اپنے ہی نہیں بلکہ غیر کی بھی غمخواری کرتا تھا آج اپنے بھائی کی تکلیف پر ہنسی مذاق اڑاتا ہے اور طعنے دیتا ہے۔ جب مسلمان کی یہ حالت ہو کہ وہ نہتوں پر حملہ کرتا ہے اور بے بس کا سامان چھینتا ہے، امانت میں خیانت کرتا ہے، شیر کے سامنے لومڑ کا دبلی پہ کتے کی طرح جھپٹتا ہے۔ وہ کیسے ترقی کر سکتا ہے؟ وہ کیسے امید کر سکتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں دوبارہ عنانِ حکومت آ سکے گی۔ اگر آج خدا کی نصرت اور تائید اس مسلمان کے ساتھ نہ ہو تو یقینی اور مسلمہ امر ہے کہ مسلمان ہزاروں برسوں تک جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ سدھار لیں برسرِ اقتدار نہیں آ سکتے۔

مگر اس قادرِ مطلق توانا خدا کا وعدہ ہے کہ مسلمان پھر عنقریب دنیا پر حاکم ہوں گے۔ یہ وہ وعدہ ہے جس کا پورا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ ایک غیر شخص مسلمان کی اس حالت کو دیکھ کر یہ کبھی خیال نہیں کر سکتا کہ وہ عنقریب دنیا پر برسرِ اقتدار آ جائے گا۔ مسلمان خود بھی اپنی حالت کا اندازہ لگائے ہوئے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں کہ دوبارہ تاج و تخت کا منہ دیکھ سکیں۔ اس ضمن میں ایک دفعہ ایک شخص نے کہا مسلمان اس حالت سے کبھی بھی کمالِ عروج تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہمارے آباؤ اجداد اسلئے کمالِ عروج کو پہنچے کہ وہ نیک تھے، اپنے بھائی کا خیال رکھتے تھے اور انصاف کے ترازو کو ہمیشہ یکساں رکھتے تھے۔ مگر آج مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ بھائی بھائی کا لہو چوستا ہے۔ زور آور کمزور کو مغلوب کرتا ہے اور اس پر ہنسی اڑاتا ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسی قوم جس میں انصاف نام کو نہیں اس کے ہاتھ میں انصاف کا عصا تھما دیا جائے۔ میں نے اس سے کہا بے شک آج مسلمان کی ایسی ہی حالت ہے لیکن ہر وہ قوم جو پستی میں ہوتی ہے بلندی اور اقبال کا منہ ضرور دیکھتی ہے۔ اور پھر ہمارے ساتھ تو اس قادرِ مطلق کا بھی وعدہ ہے جو ہر حالت میں پورا ہوگا۔

مسلمان قوم کے مستقبل کے متعلق مسلمان کا الگ نظریہ ہے۔ اور وہ اسی امید پر اس سیل میں بہ رہا ہے کہ اسے جلد ہی کنارا مل جائے گا۔ مسلمان جانتے ہیں کہ وہ دنیا پر جلد ہی غالب آنے والے ہیں لیکن دوسری اقوام کا خیال ہے کہ ہم نے مسلمانوں کو جس طرح

زنجیروں میں جکڑ کر گڑھے میں پھینک دیا ہے اب ان کا نکلنا محال ہے۔ وہ لوگ صرف خیال ہی نہیں کرتے بلکہ ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں۔ کہ مسلمان اب جس شدید بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں اس سے باہر نہیں نکل سکتے! اور مسلمان کولھو کے بیل کی طرح اپنے اسی چکر میں پھنسا رہے گا۔

لیکن مسلمان کہتا ہے آج جو وادی ہے وہ صرف ایک زلزلے کی منتظر ہے اور پھر یہی وادی ایک پہاڑ کی صورت میں ہوگی اور تم ریت کے جس ٹیلے پر کھڑے ہو وہ آندھی کے پہلے جھونکے سے ہوا میں بکھر جائے گا۔

مسلمان اس زلزلے کے تو منتظر ہیں جس کے آنے سے مسلمانوں کی وادی ایک پہاڑ کی شکل اختیار کر جائے گی۔ مگر اس زلزلے کے لئے حرارت کی ضرورت ہے۔ اور وہ حرارت مسلمانوں کو ہی پیدا کرنی ہوگی۔ خواہ وہ اس آگ سے ہی کام کیوں نہ لیں جو کہ عیسائیوں نے انہیں جلانے کے لئے لگائی تھی۔ لیکن ہمیں یہ بات پھر سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ آخر مسلمان ترقی کرینگے تو کیسے کریں گے۔ اس کے لئے اسباب کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ یہی خیال ہماری توجہ مسلمانوں کی اس پہلی حالت کی طرف مبذول کر دیتا ہے کہ جب تین سو تیرہ نے ایک ہزار کا منہ موڑا۔ اور پھر جب سات سو نے دس ہزار کے لشکر جرار کو نہ بھولنے والا سبق سکھایا۔ اور پھر وہ دس ہزار کا لشکر لے کر دنیا کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے۔ تو کیا آج مسلمانوں میں دس ہزار نہیں تو سات سو بھی نہیں۔ اور اگر سات سو نہیں تو تین سو تیرہ بھی ایسے نہیں مل سکتے جو مسلمانوں کی عظمت و حرمت کا جھنڈا دوبارہ گاڑ دیں؟

ہمیں اپنے میں سے تین سو تیرہ نہیں، سات سو نہیں، دس ہزار نہیں۔ بلکہ ہر ایک کو اُسی طرح کا بننا ہوگا اور ہر ایک کو اسلام کی عظمت و حرمت کا جھنڈا گاڑنے کے لئے کمربستہ ہونا ہوگا۔

ھمارا خدا نابینوں کے ہاتھ میں شمع روشنی نہیں پکڑائے گا۔ بلکہ وہ ہم میں سے ایسے مسلمان پیدا کرے گا جو اسلام کا پرچم اپنے ہاتھوں سے دنیا کے کونے کونے میں گاڑ دیں گے +

صبر و قناعت

بقیہ از صفحہ ۱۶

اگر والدین صبر و قناعت سے کام لیں تو بچے خود بخود صبر و شکر سے رہنا سیکھ جائیں گے۔

لھذا والدین کو چاہیئے کہ بچوں کی ایسی تعلیم و تربیت کریں کہ وہ اپنے سے غریب بچوں کو کمتر نہ سمجھیں اور نہ اپنے سے زیادہ خوشحال بچوں کو دیکھ کر حسد کریں۔

اگر ہم مندرجہ بالا حدیث پر عمل کریں تو ہمارے اندر اور بہت سی خوبیاں پیدا ہو جائیں گی۔ جس سے ہمارے لئے یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور دینی نعمتوں کے دروازے کھل جائیں گے ——

وقت

خدا تعالیٰ کا بخشا ہوا موقع ہے تاکہ ہم اسے پہچان لیں۔

(کا۔ ف)

کاکریا محمد معظم ۔ بی ایس سی سٹوڈنٹ

صبر و قناعت

وہ انسان جو خدا کی عطا کی ہوئی نعمت، عزت، دولت پر خوش نہ رہے ۔ چاہے وہ کم ہو یا زیادہ ——— اور دوسروں کی عزت و دولت دیکھ کر بغض و حسد کی آگ میں جلتا رہے ——— وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا ——— اور نہ ہی آرام و سکون کی زندگی گزار سکتا ہے ۔ چاہے خدا تعالٰے اس کی حاجت کو اس کے حسب منشاء پورا بھی کر دے اور اُسے اچھا خوش حال بھی بنا دے ۔ مگر وہ ہمیشہ اس سے زیادہ کا ہی متمنی اور خواہشمند رہے گا اور اپنی حالت پر کبھی قانع نہیں رہے گا خواہ وہ ساری دنیا کا مالک ہی کیوں نہ بن جائے ..... اسی سلسلہ میں بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"جو شخص تم میں سے کسی ایسے آدمی کو
دیکھے جو اس سے زیادہ مالدار اور شکیل ہو
تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس شخص پر بھی نظر
ڈالے جو اس سے کم تر درجہ کا ہے ۔"

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ نے ہمیں یہ ہدایت کی ہے کہ ہم اللہ تعالٰے کی عطا کی ہوئی تھوڑی یا زیادہ نعمت پر ہر وقت راضی اور خوش رہیں ۔ ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں ۔ اور جو شخص ہم سے دنیوی حیثیت میں زیادہ ہو اس کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ۔ بلکہ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری حیثیت سے کمتر ہیں ۔

ہمارا یہ طریقہ ہمیں ہمیشہ اس بات پر آمادہ رکھیگا کہ ہم کبھی کسی دوسرے کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں ۔ بلکہ جو کچھ بھی کم یا زیادہ خداوند تعالٰے نے عطا فرمایا ہے اسی پر قناعت کریں اور اس کا شکر بجا لائیں ۔ دنیا میں لاتعداد انسان ایسے بھی ہیں جن کو ہم سے بہت کم دیا گیا ہے ۔

دنیا میں کوئی شخص بھی یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ وہ دنیا میں سب سے بلند ہے ۔ مثال کے طور پر ایک بہت بڑے دولت مند کو لیجئے ۔ اس کی صحت خراب ہے یا اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ۔ چاہے وہ ظاہری طور پر کتنا ہی خوش کیوں نہ ہو مگر وہ ان غریبوں کو دیکھ کر ضرور رشک کرے گا جن کی صحت اچھی ہے اور اولاد جیسی نعمت سے محروم نہیں ۔

تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ بات اکثر دیکھی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ دولت و عزت کے متلاشی رہتے ہیں ۔ خدا کی نعمتوں کا کبھی شکر ادا نہیں کرتے ۔ بلکہ ہمیشہ پریشانی، مشکلات اور مفلسی کا اظہار کرتے رہتے ہیں ۔ یہ بات مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے ۔ وہ جب کسی دوسری عورت کو اپنے سے زیادہ زیور پہنے یا عمدہ کپڑوں میں ملبوس دیکھتی ہیں تو انہیں رشک ہوتا ہے ۔ ایسی عورتیں ہمیشہ اپنے شوہر سے ناراض رہتی ہیں اور خدا تعالٰی کا شکر نہیں کرتیں ۔ اس سے بچے بھی متاثر ہوتے ہیں ۔

(باقی صفحہ ۵ پر)

پروفیسر چودھری محمد علی ایم اے تعلیم الاسلام کالج

○

کچھ عیاں گذری کچھ نہاں گذری
اچھی گذری جہاں جہاں گذری

حالِ دل سُن کے ہو گئے خاموش
بات سچّی تھی کچھ گراں گذری

اُن کا غصہ تھا پیار تھا کیا تھا
اک قیامت تھی ناگہاں گذری

دیکھی ہوگی ضرور تُو نے بھی
پھُول پہ جو اے باغباں گذری

نُور میں ڈھل کے آنسوؤں کی پری
دیدۂ تر سے پَرفشاں گذری

چاند نکلا نہ ہم نشیں آئے
شامِ فرقت دھواں دھواں گذری

دن گذرا خدا خدا کر کے
رات کانٹوں کے درمیاں گذری

کل جو گذری ہے قلبِ مضطر پر
تم پہ اے بے خبر کہاں گذری؟

پروفیسر نصیر احمد خان تعلیم الاسلام کالج ربوہ

○

روشن وفورِ غم سے ستارے ہوئے تو ہیں
اشکوں کے لعل آنکھ کے تارے ہوئے تو ہیں

اس اک دلِ خراب پہ سو سو تجلیاں!
کچھ کچھ ہمیں بھی اُن کے اشارے ہوئے تو ہیں

کچھ اور بڑھ گئی ہے شبِ غم کی تیرگی،
کچھ اور آسماں پہ ستارے ہوئے تو ہیں

بجلی چمک گئی ہے کہ شعلہ لپک گیا!
پیدا تری نظر سے شرارے ہوئے تو ہیں

ساقی ہجومِ یاس ہے لا پھر گلابیاں
ہم سب غمِ حیات کے مارے ہوئے تو ہیں

واعظ جو ذکر دیں نہ کریں تو کریں بھی کیا
یہ زندگی کی دوڑ میں ہارے ہوئے تو ہیں

شکوے ہی ہیں اُن کے ہی بے رُخی نصیر
یہ کس نے کہہ دیا وہ تمہارے ہوئے تو ہیں

(۲)

○

مہ و پروین کو مت دیکھو حیراں ہو کر
دیکھ نیرنگئ دل چاک گریباں ہو کر

میں نے ڈھونڈا ہی بہت چاند ستاروں میں تجھے
لوٹ آئی ہے نظر اور پریشاں ہو کر

ہم نے دکھلائے ہیں فصلِ بہاری الفت کے غریب
ذرّے اکثر نظر آئے ہیں بیاباں ہو کر

ایک اُمید اگر اُجڑی تو اک آن بسی
دل وہ بتخانہ کہ آباد ہے ویراں ہو کر

آئے پروانے جلے راکھ ہوئے خاک ہوئے
شمع روشن ہوئی کس شوق کا ساماں ہو کر

دیں بھی چھوٹ چکے ہاتھ سے دُنیا بھی گئی
زندگی ہم نے گنوائی ہے مسلماں ہو کر

ہم نہ کہتے تھے کہ پچھتاؤ گے باز آؤ نصیر
کیسے کاٹو گے رہِ عشق تن آساں ہو کر

قاصد ظریف تعلیم الاسلام کالج ربوہ

○

جب غمِ ایام سے گھبرا گئے
ہم درِ پیرِ مغاں تک آ گئے

کیا کرے وہ کاروانِ خستہ جاں؟
راستے ہی میں دُھندلکے چھا گئے

کیا بہار آئی کہ گلشن میں ندیم!
جتنے غنچے تھے سبھی مُرجھا گئے

کس کو ہے مَوجِ حوادث کا خیال؟
ناخدا کیوں اس قدر گھبرا گئے

خوب لُوٹے چاندنی راتوں میں ہم
آپ کے وعدے ہمیں یاد آ گئے

یا شکستِ دل کی وہ آواز تھی
یا کسی ساغر سے لب ٹکرا گئے

بیٹھ کے قاصد کنارِ آب جو
رات اشک آنکھوں سے ہم برسا گئے

افتخار احمد غازی، اسلامیہ کالج لائلپور؎

○

آج قسمت نگہ شوق کی جاگ اُٹھی ہے
پردۂ ناز ابھی اور اُٹھا رہنے دے

داغ دل پر ہیں پھپھولے ہیں جگر میں اے دوست!
اب تو یونہی یہ چمن میرا کھلا رہنے دے

آشیاں شاخ تمنا پہ چمن میں صیاد
چار تنکوں سے بندھا ہی تو بندھا رہنے دے

نگہِ مست سے مخمور بنا دے ساقی
مے ہے نایاب تو اچھا نہ پلا رہنے دے

چھوٹتی جاتی ہیں بیمارِ الم کی نبضیں
چارہ گر چھوڑ بھی اب فکرِ دوا رہنے دے

گلۂ جور سراسر ہے وفا کی توہین
دل کی باتوں پہ نہ جا دل کو خفا رہنے دے

آپ بن جائے گی بگڑی ہوئی قسمت غازی
سر کو سنگِ درِ جاناں پہ جھکا رہنے دے

؎ تعلیم الاسلام کالج یونین کے زیر انتظام ایک انٹر کالجیئیٹ مشاعرہ منعقد کیا گیا تھا۔ یہ غزل اول قرار دی گئی تھی۔ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

از محترم جناب تابؔ خورشید پوری اسلامیہ کالج لائلپور

(۱)

در کا شانۂ اُمید کھُلا رہنے دے
سنگِ در سجدہ گہِ اہلِ وفا رہنے دے

میرے ہر سانس پہ پابندیاں عائد کر دے
دلِ مجبور مگر وقفِ جفا رہنے دے

بال و پَر کاٹ لے صیّاد مگر بہرِ خدا
درِ قفس کا تو میرے واسطے وا رہنے دے

یُوں ترے رہِ محبت سے گریزاں ہوں غلط
رہنے دے ایسا گماں ہوش رُبا رہنے دے

جذبۂ عشق کہیں اور نہ ہو جائے فزوں
حُسن کو غیظ کی شدّت سے جُدا رہنے دے

مجھ کو عیسیٰ نفسی سے ہے غرض کیا اے تابؔ
سوزشِ حُسن میں جلنے کی دُعا رہنے دے

ایم ایم خان پرویز گورنمنٹ کالج سرگودھا

○

رُخِ تاباں کو ذرا جلوہ نما رہنے دے
دل کی نگری میں مری حشر بپا رہنے دے

مسکراہٹ کو نہ پابندِ تکلّف کرنا
لبِ لعلین پہ کوئی پھول کھلا رہنے دے

غم کی توہین ہے گر تو ہو کرم پہ مائل
درد کا ساز مرے دل میں چھڑا رہنے دے

میں ذرا اور غمِ زیست کی لذّت سہہ لوں
"درِ کاشانۂ اُمید کھلا رہنے دے"

اپنے تخئیل میں جلووں کو بسا لوں پرویز
قصّۂ طُور اگر کل پہ اُٹھا رہنے دے

افضل ترکی تعلیم الاسلام کالج ربوہ

○

اب ان کے سرِ راہ نظارے نہیں ہوتے
بس جان گئے ہم وہ ہمارے نہیں ہوتے

حسرت سے تکے طُور کی جانب کوئی کیونکر
ہر روز لبِ بام نظارے نہیں ہوتے

جو جا کے جُھکا دیتے ہیں سر دَیر و حرم میں
وہ لوگ ترے عشق کے مارے نہیں ہوتے

آہوش میں ساحل کے طلبگار مسافر
دریائے محبت کے کنارے نہیں ہوتے

دُر دُر پہ صدا دینے سے اُکتائے ہوئے ہیں
یوں تیرے فقیروں کے گذارے نہیں ہوتے

ہوتے ہیں شبِ ہجر مری آنکھ میں آنسو
جب چرخ کے دامن میں ستارے نہیں ہوتے

ترکی بھی انہی یاس کے ماروں میں ہے شامل
جن لوگوں کے دُنیا میں سہارے نہیں ہوتے

رانا اسلام داد خان

اُن کی باتوں میں گلوں کی خوشبو!

قابلِ صد افتخار طاہر!

سلام شوقِ دید۔

دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو کچھ لکھوں۔ مگر جہاں چوٹ لگتی ہے وہاں درد ضرور ہوتا ہے۔ اور اُسی درد نے آج مجھے مجبور کر دیا ہے کہ آپ جیسے مصروف الاوقات اور عدیم الفرصت انسان کو کچھ لکھوں۔

مجھے یہ چوٹ کیسے آئی؟ اور کس جگہ آئی؟ بھئی..... حد کر دی، ذرا آرام سے سُنیئے گا..... اور تحمّل مزاجی سے تشریف رکھیئے گا..... آپ تو خواہ مخواہ اتنے پریشان ہو رہے ہیں۔ زیادہ فکر کی کوئی بات نہیں..... اگرچہ چوٹ تو لگ چکی ہے مگر اُمید واثق ہے کہ بہت جلد شفایاب ہو جاؤں گا۔..... بس..... آپ لوگوں کی تھوڑی سی دُعا کی ضرورت ہے..... سمجھے.....

تو ہاں صاحب! آپ کیا خیال فرما رہے ہیں کہ چوٹ مجھے کُشتی لڑتے ہوئے آئی ہوگی؟ یا کہیں بازی گری کرتے ہوئے.....؟ غلط..... بالکل غلط..... مجھے چوٹ نہ کُشتی لڑتے ہوئے آئی اور نہ بازی گری کرتے ہوئے۔؟..... نہ ٹانگ زخمی ہوئی اور نہ بازو..... بلکہ اگر بُرا نہ مانیں..... تو یہ بھی عرض کر دوں کہ جسم کا ہر ایک حصہ بالکل پہلے کی طرح صحیح وسالم ہے۔ چل سکتا ہوں، پھر سکتا ہوں، اُٹھ سکتا ہوں، بیٹھ سکتا ہوں، کھا سکتا ہوں، پی سکتا ہوں..... مگر اس کے باوجود مجھے چوٹ آئی ہے اور ضرور آئی ہے..... ذرا اپنے دماغ شریف پر زور تو دیں۔ چوٹ کی جائے وقوع تلاش کرنے کے لئے..... شاید اِس آڑے وقت میں بھی آپ کا ساتھ دے.....

تو کیا فرمایا آپ نے؟ چھوٹ گئے چھکے اس کمبخت کے بھی..... مان گئے ہو نا اب تو ماہدولت کا لوہا! ذرا اپنے دماغ سے کہہ چھوڑ دیجئے گا کہ وہ محض ریاضی کے پیچیدہ مسائل اور فزکس کی بوسیدہ تھیوریوں کو ثابت کرنے اور حل کرنے میں ہی طاق ہے۔ ورنہ ماہدولت کا دماغ اِس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تیز اور طرار ہے۔ دیکھ لیا نا ہماری "چوٹ" کا مسئلہ بھی نہ حل کر سکا.....

تو لیجئے جناب والا ہم خود ہی آپ کی اِس اُلجھن کو حل کر دیتے ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں آپ اپنے دماغ پر خفا نہ ہو جائیں اور وہ بے چارہ دگار ہمارے دماغ کے خلاف کہیں تخریبی کارروائیاں کرنے پر نہ اُتر آئے کیونکہ آجکل ہر چیز میں تخریبی پہلو کارگر نظر آتا ہے.....

آپ نے چچا مومن خاں مومن مرحوم کا اسمِ گرامی تو سُنا ہوگا..... مرنے والے بڑی خوبیوں کے مالک تھے..... اور طرۂ امتیاز یہ کہ وہ شاعر بھی تھے اور شاعر بھی گھٹیا شعر کرنے والے نہیں بلکہ وہ شعروں میں بڑی معرفت کی باتیں بیان کر جاتے تھے۔ چنانچہ انکی اسی صفت نے بلند پایہ شاعر غالب مرحوم کو بھی مجبور کر دیا کہ

وہ اُن کے ایک شعر کو ہی اپنے سارے دیوان پہ بھاری سمجھنے لگے۔

وہ شعر کون سا تھا؟ عرصے سے میں خود اس کی تلاش میں تھا۔ جغرافیہ کے نقشوں سے کئی شہر دیکھے۔ جنگلوں کی خاک چھانتا پھرا ...... کئی ولایتیں پھر آیا۔ مگر شعر نہ ملنا تھا نہ ملا ...... مگر قسمت کی خوش نصیبی ......

...... دیکھئے ..... بزرگوں نے صحیح کہا ہے کہ خدا جب دیتا ہے تو چھپّر پھاڑ کر دیتا ہے۔ بالکل بمصداق اس کے ...... کل ...... ہاں جی ابھی کل اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ دُور کہیں سے ایک آواز بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سیدھی میرے کان میں آگھسی۔ پہلے تو میں ذرا گھبرا گیا ...... خدایا خیر ہو ...... یہ کیسی آواز ہے؟ ...... اور کس کی آواز ہے؟ اسے کیا ہوا ہے جو اتنی دوڑتی ہانپتی ہوئی فوراً جائے پناہ دیکھ کر ستانے کے لئے بغیر اجازت اندر داخل ہو گئی ہے؟ ......

...... ہوں! تو یہ ضرور کسی ایسے شخص کی آواز ہے جو اس کی حفاظت کرنے کے ناقابل ہوگا ...... اُف! یہ محض آواز ہی تو نہیں بلکہ یہ تو شعر معلوم ہوتا ہے ...

...... مگر اس کے الفاظ بڑے عجیب و غریب ہیں ...

...... سنئے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

ہو تو چکا ہے مگر ...... ظاہری آثار سے یہ وہی شعر معلوم ہوتا ہے جس کے لئے میں ایک عرصہ تک سرگرداں پھر رہا ہوں ...... جس کے لئے غالب مرحوم نے اپنا سارا دیوان دے دینے کو فائدہ مند سودا سمجھا ...... بس جی ...... کچھ نہ پوچھیے ......

پھر کیا ہوا ...... یہی سمجھیے کہ جو نہ ہونا تھا وہی ہونے لگا ...... مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھے ضرور کہیں چوٹ آگئی ہے ...... کہاں؟ یہ مجھے اب تک معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر حضور والا چوٹ کا آنا تھا کہ درد اُٹھنے لگا۔ شدید قسم کا درد ......

بس طاہر صاحب!

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مگر خدا بھلا کرے ان کمبخت دُنیا والوں کا ...

...... میرا تو انہوں نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ بس جب دیکھو کوئی نہ کوئی آدھمکتا ہے ...... یقین جانو ...... نہانا دھونا بھی اچھی طرح نہیں ہو سکتا ...... آئے دن نت نئی مصیبت۔ قسم سے تنگ آچکا ہوں اس routine سے۔ مگر پھر اس خیال سے کہ بزرگوں کا کہنا ہے' دُنیا والوں سے بنا کر رکھنی چاہیئے شاید بوقتِ ضرورت کام آویں ...... قہرِ درویش برجانِ درویش ...... خون کے گھونٹ پی جاتا ہوں اور صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ اگر اجازت ہو تو کہہ ڈالوں ...... کچھ ان کے متعلق ...... تا جلے سڑے دل کی کچھ بھڑاس نکل جائے ......

آپ جانتے ہی ہیں مسٹر سینتھیٹکس کو ...... بڑے بے حیا قسم کے انسان ہیں۔ یہ تو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر روز انہیں کئی دوستوں کے نام بتاتا ہوں۔ ان سے معذرت کرتا ہوں ...... تنگ آگیا ہوں۔ مگر یہ ایسے ڈھیٹ واقع ہوئے ہیں کہ ذرا ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ان کے کان پہ جُوں بھی نہیں رینگتی ...... "بس جی ابھی جاتا ہوں" کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر اللہ تیری یاری ...... چل سو چل ...... کبھی اِدھر کی کبھی اُدھر کی بالکل بے تکی لگاتے رہتے ہیں ..

...... مگر سچ جانیئے تو میں انہیں بھی معذور و مجبور سمجھتا ہوں۔ بے چارے کوئی آدھی درجن سے زیادہ بچوں کے

"اکلوتے" والد صاحب ہیں۔ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ فکر ان کے دامنگیر رہتا ہے۔ کبھی مس کو آرڈینیٹ (Co-ordinate) اور کبھی مسٹر انٹیگرل —— (Integral) ان کی پوری توجہ کے مرکز بنے ہوتے ہیں۔ غرضیکہ مجھے تو شرم آتی ہے ان کے خاندان کے افراد کے علیحدہ علیحدہ نام لیتے ہوئے —— بس یوں سمجھئے کہ ہر روز کم از کم ایک بار ان کے سارے افرادِ خاندان سے ملاقات ہوتی ہے ۔۔۔۔ کسی سے ہاتھ ملانا پڑتا ہے ۔۔۔ کسی کو پیار دینا پڑتا ہے۔ اور Vector لا Determinants وغیرہ چھوٹے بچوں کا منہ بھی چومنا پڑتا ہے ۔۔۔۔ بے چاروں کی ماں عرصہ ہوا مر چکی ۔۔۔۔ اسلئے باپ کا دل رکھنے کی غرض سے ۔۔۔ سب ۔۔۔ کچھ ۔۔۔۔ کرنا پڑتا ہے ۔۔۔۔

خدا خدا کر کے دوپہر کے بعد جا کر کہیں اِس family سے نجات حاصل کرتا ہوں ۔۔۔ پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہوتے ہیں ۔۔۔۔ میرا مطلب ہے ' انتڑیاں قُل ھُو اللہ کا ورد کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ لہٰذا بلا تاخیر ۔۔۔۔ پیٹ پوجا شروع کر دیتا ہوں۔ بعد ازاں خیال ہوتا ہے کہ ذرا لیٹ کر آرام کروں گا ۔۔۔۔ مگر آدھ گھنٹہ بھی نہیں گزرتا ۔۔۔ کہ صحرائی کپڑوں میں ملبوس ایک دوشیزہ ہونٹوں پر معصوم ریگستانی تبسم لئے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہو جاتی ہے ۔۔۔ بس چار و ناچار اُٹھ بیٹھتا ہوں ۔ نئے مہمان کی خاطر تواضع کے لئے ۔۔۔۔ اس کا سڈول اور گداز جسم اور پھر سونے پر سہاگہ ۔۔۔۔ اس کی طبیعت کی سادگی اور لطافت ۔۔۔۔ اپنے اندر ایک عجیب جاذبیت لئے ہوئے ہوتے ہیں ۔۔۔۔ مگر جناب !! ۔۔۔ آپ کیوں اتنے بے قرار ہوتے جا رہے ہیں ۔۔۔۔ ؟ ہمارے نئے مہمان سے تعارف چاہتے ہیں کیا ۔۔۔۔۔ ؟ ان کا نام مس عربی صاحبہ ہے ۔۔ ۔۔۔۔ قسم خدا کی پرلے درجے کی شریف اور باحیا خاتون ہیں ۔۔۔۔ سارے دیس پنجاب میں ان کے پائے کی عورت نہیں ملے گی ۔۔۔۔ تو جناب ان کا سب سے بڑا شغف مجھے اپنے ملک کی شعر و شاعری اور ادب سے متعارف کرانا ہے ۔۔۔۔ امراؤ القیس ، جریر ، فرزدق ، حاتم الطائی جیسے بڑے بڑے ادیب ان کے ہم وطن تھے ۔۔۔۔ بس کیا کہئے ان کے ریگستانی علاقوں کے ۔۔۔۔ ان کے حسن و عشق کے قصے اور جنگوں کے حال احوال سُنتے کبھی طبیعت نہیں اکتاتی ۔۔۔۔ یہ سُناتی جاتی ہیں۔ اور میں بڑے مزے اور چٹخارے لے لیکر سُنتا رہتا ہوں ۔۔۔۔ دل چاہتا ہے کہ نہ بیان کرنے والا کبھی تھکے اور نہ یہ قصے ختم ہوں۔ ۔۔۔۔ مگر آفرین ہے اس حلال زادی کے بھی ۔۔۔ ۔۔۔۔ اِدھر شام ہوئی ۔۔۔۔ فوراً علیک سلیک کی ۔۔۔۔ اور اسی شاہانہ انداز سے تشریف لے گئیں ۔۔ ۔۔۔۔ !

ان کے تشریف لے جا چکنے کے بعد ساری طاقتیں جواب دے بیٹھتی ہے ۔ دل چاہتا ہے کہ کھانا وانا کھائے بغیر ہی بستر پر دراز ہو جاؤں ۔ مگر خدا بُرا کرے اس پیٹ کا ۔۔۔۔ یہ بھی ایسے نہیں مانتا ۔۔۔۔ خیر اس میں تھوڑا بہت گزارے موافق ایندھن ڈال کر سونے کی تیاری میں مصروف ہوتا ہوں ۔ مگر خدائی مشیت کچھ اور ہوتی ہے ۔۔۔۔ آنکھیں نیند سے بند ہو رہی ہوتی ہیں ۔۔۔۔ سر چکرا رہا ہوتا ہے کہ اچانک ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دبے پاؤں کمرے کی طرف آ رہا ہے ۔ فوراً چوکنا ہو جاتا ہوں ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ دروازے پر نظریں گاڑ دیتا ہوں اور ۔۔۔ ۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔ مسز انگلش فوراً نمودار ہو جاتی

ہیں ۔۔۔۔۔ یقین کیجئے اِس بدبخت پر وہ کو غصّہ آتا ہے ۔ دانت پیستا ہوں ۔۔۔۔۔ پورے آٹھ سال ہو گئے ۔۔۔۔۔۔ اس کا خاوند مرے ہوئے مگر یہ ہے کہ اس کے ناز نخرے اور ٹھیک اپ برابر جاری ہیں ۔ اونچی ایڑی کا سینڈل پہن کر چلتی ہے ۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔ تو کیا کہئے ۔۔۔۔۔۔ بہتوں کی آنکھیں ادھر اٹھ جاتی ہیں ۔ تو خیر ۔۔۔۔۔ ابھی یہی سوچ رہا ہوتا ہوں کہ اسے کیا کہوں ۔ کہ انگلش صاحبہ اپنے باریک ہونٹوں کو جنبش دیتی ہیں ۔۔۔۔

"I love you"

اور مجھ میں صبر کی تاب نہیں رہتی ۔ سب غصّے کافور ہو جاتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ اور نہ جانے کس وقت نیند آجاتی ہے ۔۔۔۔۔

ہاں اتنا یاد ہے کہ صبح ہوتی ہے ۔۔۔۔ تو آپ یاد آتے ہیں ۔۔۔۔۔ سوچتا ہوں ۔ کتنا گنہگار ہوں ۔۔۔۔۔ انہیں کبھی خط بھی نہیں لکھتا ۔۔۔۔۔۔۔ مگر کیا کروں مندرجہ بالا حضرات کسی قیمت پر بھی میرا پیچھا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ۔۔۔۔۔

البتہ کل شعر سننے پہ چوٹ لگی ۔۔۔۔۔ ایک ایسی چوٹ کہ جس کا out put اِس خط کی شکل میں ظاہر ہوا ۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ لکھنے کے لئے وقت کیسے ۔۔۔۔۔؟ اِس کے متعلق عرض ہے کہ مس عربی صاحبہ سے آپ کے نام پر معذرت کر دی گئی تھی ۔۔۔۔۔ اور خدا بھلا کرے ان کا کہ وہ مان گئیں ۔

اُمید ہے ۔۔۔۔۔ مسٹر "کتابی کیڑا" صاحب گرمی کی چھٹیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہے ہوں گے ۔۔۔۔۔ میرا سلام عرض کر دیں ۔ باقی ۔۔۔۔ باقی ۔۔۔۔
آپ کا ۔۔۔۔۔

قندِ پارسی

غزل

منظوم قیوم ظفر، سیکنڈ ایئر

آں بلبلِ مستم من گلہائے پرستم من
کز سوز نوا صد خاراں در سینہ شکستم من

طوفاں کہ بجاں دارم بر لب نتواں آورد
چوں جاں کہ شکستم بند از سیلِ او رستم من

از چشمِ تو یک غمزہ فردوسِ بریں مارا
نے بندہ حورم من نے غلماں پرستم من

نے پیرِ مغانم من نے ساقیِ میخانہ
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من

یحییٰ نضلی

... اور اُلجھنیں سُلجھ گئیں

مجھے پوری طرح یاد بھی نہیں کب یتیم خانہ میں داخل کیا گیا۔ اب تو واقعات کی ایک ہلکی سی جھلک محسوس ہوتی ہے ابا جان کو تو میں نے دیکھا تک نہیں، امّی کے پاس رہا کرتا تھا ——— کچھ یاد پڑتا ہے کہ ایک روز لوگ اکٹھے ہو کر امّی کو اُٹھا لے گئے تھے۔ میں بھی دوسروں کو دیکھ کر رو تا رہا مجھے معلوم نہ تھا یہ لوگ کیوں روتے ہیں اور میرے رونے کا سبب کیا ہے ——— ! چند دن ایک ہمسائے کے گھر رہا۔ آخر وہ ایک روز مجھے شہر لے گئے جہاں ایک بڑی سی عجیب و غریب عمارت میں ایک داڑھی والے کے پاس گئے۔ وہ واپس چلنے کے لئے مُڑے تو میں نے بھی ساتھ چلنے کی ضد کی مگر مولوی صاحب نے مٹھائی کا لالچ دے کر پاس ٹھہرنے پر راضی کر لیا ———

اب میں وہاں رہنے لگا ——— لیکن آج تک مجھے معلوم نہیں۔ میں کتنا عرصہ وہاں رہا ———

وہاں ہی آ کر مجھے پہلی بار معلوم ہوا کہ میرا دل دائیں طرف ہے ——— تو کیا دوسروں کا بائیں طرف ہوتا ہے؟ ——— عجیب بات تھی ——— میری سمجھ سے تو بالا تھی۔ ——— آخر فرق کیا ہوا ——— مگر ان کے نزدیک یہ عجیب و غریب بات تھی۔ اس لئے جب بھی کوئی یتیم خانہ میں آتا تو ہمارے منتظم صاحب مجھے دفتر میں بلا کر دکھاتے کہ اس کا دل دائیں طرف ہے ——— لوگ حیرت سے سُنتے اور پھر میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر تصدیق چاہتے ——— نہ معلوم ایک ایک دن میں کتنے ہی لوگوں نے میرے دل کی دھڑکن دائیں طرف دیکھنے کے لئے میرے سینے پر ہاتھ رکھا ——— میں تو اُکتا گیا تھا ان لوگوں سے، ان کی باتوں سے، بار بار تنگ کرنے سے ——— لیکن کر بھی کیا سکتا تھا ——— میں ہوا یتیم بچہ جس کو اپنی مرضی کے مطابق یتیم خانہ والے استعمال کر سکتے ہیں ——— مجھے انکار تک کا حق حاصل نہ تھا ———

کئی بار اخبارات کے نمائندے آتے، انہوں نے میرے فوٹو لئے، حالاتِ زندگی پوچھے اور نہ معلوم کون کون سے اوٹ پٹانگ سوالات کرتے رہتے ——— سُنا ہے انہوں نے فوٹو شائع بھی کئے تھے لیکن میں نے کبھی دلچسپی نہ لی۔ نہ ہی کبھی منتظم صاحب نے مجھے میری چھپی ہوئی فوٹو دکھائی ———

میرا دل یتیم خانہ میں نہ لگتا تھا ——— وہاں بہت سے لڑکے رہتے تھے ——— گندے لڑکے .... مجھے ان سے بات کرتے ہوئے بھی وحشت محسوس ہوتی تھی ——— لیکن مجھے بہرحال یتیم خانہ میں رہنا تھا۔ کیونکہ میرا اِس دُنیا میں کوئی نہ تھا ——— اگر کوئی ہمدرد تھا تو وہ یتیم خانہ والے تھے ———

ایک دن ایک صاحب بڑے لمبے تڑنگے یتیم خانہ میں آئے۔ مجھے معمول کے مطابق دفتر میں بُلوایا گیا ——— انہوں نے مسکراتے ہوئے حال احوال پوچھا، پیار کیا اور ساتھ والی کرسی پر بٹھایا ———

"میں نے سُنا ہے تمہارا دل دائیں طرف ہے۔"

میں تو شاید یقین نہ کرتا مگر اب تم میرے پاس بیٹھے ہو تو کیا میں دیکھ سکتا ہوں دل کس طرف ہے ؟"

ان کی آواز میں محبت کی چاشنی نمایاں تھی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور بغیر کچھ بولنے کے سامنے کھڑا ہو گیا ——

"میاں! بیٹھ جاؤ —— کھڑے ہونے کی کیا ضرورت ہے ؟" انہوں نے میرے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"واہ بھئی ! واقعی تمہارا دل دائیں طرف ہے۔" انہوں نے کچھ پھل کھانے کو دیا اور پھر واپس بھیج دیا۔

کافی دیر بعد مولوی صاحب نے مجھے بلوایا —— اُن صاحب نے بڑے پیار سے مجھے اپنے پاس بٹھایا اور اپنی شفقت بھری آواز میں کہنا شروع کیا۔

"نجیب میاں ! —— میں تم کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہوں —— کیا تم تیار ہو —— ؟"

میں نے حیرت سے ان کی طرف پھر منتظم صاحب کی طرف دیکھا۔ میرے کان کہیں غلطی تو نہیں کر رہے۔ مجھے بیٹا کا لفظ سُنے عرصہ ہو گیا تھا۔ بلکہ یاد بھی نہیں کہ کبھی کسی نے مجھے اس نام سے پکارا ہو گا —— میں نے کتنی ہی بار خواہش کی تھی، کاش کسی کو میں اباجان کہہ سکوں —— کاش میں کسی کو اُمّی کہہ سکوں —— کتنی ہی بار یہ خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ مگر کبھی پوری نہ ہوئی —— میرے کان واقعی غلطی نہیں کر رہے تھے۔ مہربان آنکھوں والا ایک شخص مجھے بیٹا بنانے کو کہہ رہا تھا —— میرا دل خوشی سے بلّیوں اُچھلنے لگا —— لیکن عادت کے مطابق اب بھی میں جواب نہ دے سکا —— میں نے بہت کچھ کہنا ہوتا مگر فطری حجاب آڑے آیا اور میں سوائے ان کی مہربان آنکھوں کی طرف دیکھنے کے اور کچھ نہ کر سکا۔

"بیٹا! —— تم نے بتایا نہیں، کیا تم ہمارے گھر چلنے کو تیار ہو —— ؟" انہوں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا —— میری آنکھیں ادب سے جھک گئیں اور بہت کوشش پر صرف اثبات میں سر ہلا سکا۔

"میرے پیارے بیٹے ...... !" انہوں نے کچھ کہنا چاہا مگر شدّتِ جذبات کے باعث نہ کہہ سکے۔

میرے محسن ایک بڑے خوبصورت بنگلہ میں رہتے تھے۔ جہاں ہمارا استقبال ایک بڑی پیاری عورت نے کیا ——

"لو وزیر، میں تمہارے لئے تحفہ لایا ہوں —— بتوگی نا اس کی اُمّی ..... !"

ایک لمحہ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر لپک کر گود میں اٹھا لیا —— "میرا چاند ... میرا بیٹا .... سچ مچ آپ میرے لئے بہترین تحفہ لائے ہیں ...."

"اچھا بتاؤ بیٹا ..... تمہارا نام کیا ہے ....؟"

عمر بھر کسی عورت سے بات کرنے کا یہ پہلا موقع تھا —— جرأت کی، ایک بار آنکھیں ملیں مگر جواب نہ دے سکا ——

"اس کا نام ہے نجیب ....." میرے محسن نے مسکراتے ہوئے کہا —— "ہے نا نجیب ..."

"آج سے ہم اس کو جیبی کہیں گے ...... کیوں جیبی بیٹا تمہیں یہ نیا نام پسند آیا ؟ ....."

مجھے محبت کرنے والی اُمّی اور مشفق ابا مل گئے تھے اب کسی چیز کی ضرورت نہ تھی —— مجھے صرف اور صرف امی اور ابا کی ضرورت تھی اور انہیں بچّے کی ..... کیونکہ ان کے ہاں کوئی بچہ نہ تھا ..... میں خوش تھا کہ ابا، امی مل گئے اور وہ خوش تھے کہ بیٹا مل گیا ——

اب دن بہت آرام سے گزرنے لگے۔ پچھلے تمام

حالات و واقعات فراموش ہو چکے تھے۔ مجھے یہ بھی
کبھی خیال نہ آیا تھا کہ میرے اصل امّی، ابا اور تھے۔

......

دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ میں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے ابا کی طرح ڈاکٹر بن گیا ـــــ امّی، ابا ادھیڑ عمر کی حدود سے گزر کر بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں ـــــ ان کے بڑھاپے کا سہارا میں ہی ہوں ...... دونوں مجھ پہ جان چھڑکتے ہیں ـــــ

پچھلے سال ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے انتہائی اذیت پہنچائی ـــــ ہوا یوں کہ ایک روز ہم شکار کے لئے دیہات میں نکل گئے۔ دوپہر کو کھانا کھانے کے لئے درختوں کے ایک جھنڈ میں رُکے ـــــ

اباجان تھک چکے تھے۔ کیونکہ وہ پہلی ہی بار میرے ساتھ آئے تھے ...... گو تمام سفر کار میں طے کیا تھا تاہم وہ تھکے ہوئے تھے ـــــ ایک درخت کے ساتھ بیٹھتے ہوئے انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری اور کہنا شروع کیا ـــــ

"جیسے بیٹا ...... میں بھی تمہاری عمر میں شکار کھیلا کرتا تھا ـــــ ...... پھر یکدم چھوڑ دیا ...... اور آج محض تمہاری خاطر چلا آیا ہوں ......"

"کیوں اباجان آپ نے شکار کھیلنا آخر یکدم کیوں چھوڑ دیا تھا؟"

میں نے دیکھا وہ کچھ گھبرا سے گئے ـــــ "بس یونہی ...... چھوڑ دیا تھا ـــــ"

"آخر کوئی وجہ تو ہوگی ہی نا ......"

"چھوڑو بیٹا ...... تم ان باتوں کو ...... مجھے بھوک لگی ہے ...... جاؤ اس گاؤں سے روٹیاں پکوا لاؤ۔"

"اباجان کھانا تو موجود ہے ......"

"نہیں ...... بیٹا ...... وہاں کسی تنور سے روٹیاں پکوا لاؤ ـــــ آج تنور کی روٹیاں کھانا چاہتا ہوں۔"

"اچھا ـــــ اباجان میں ابھی لے کر آتا ہوں۔"

مجھے معلوم تھا اباجان کچھ دیر کے لئے مجھے دور بھیجنا چاہتے ہیں۔ بندوق میرے کندھے پر تھی۔ خیال تھا شاید رستہ میں کوئی شکار مل جائے ......

پوچھتے پوچھتے ایک بڑھیا کے تنور پر پہنچ ہی گیا۔ اور اُسے روٹیاں پکانے کو کہا ـــــ

"بیٹا ـــــ تم شکاری ہو ـــــ" اس نے بندوق دیکھ کر پوچھا۔

"جی۔ اماں ـــــ کبھی کبھی شکار کر لیا کرتا ہوں۔"

"بیٹا ......" اس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا ـــــ

"تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے گاؤں کا سجیلا جوان کریم یاد آگیا ...... تم سے بہت ملتا جلتا تھا ...... تمہاری ہی طرح اس کا مضبوط اور لمبا جسم تھا ...... بیٹا ......" اس نے فضا میں گھورتے ہوئے بات روک لی ـــــ "بیٹا ـــــ اُسے ایک شکاری کی گولی نے مار ڈالا تھا .. آہ! کتنا خوبصورت جوان تھا ـــــ"

"اوہو! اماں گولی اُسے کیسے لگ گئی تھی ـــــ" میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"شہر سے ایک بابو شکار کرنے آیا تھا .... خرگوش پر گولی چلائی ـــــ کریم بچارے کی قضا آئی ہوئی تھی۔ گولی اس کے آ لگی ـــــ"

"تو بابو پر مقدمہ نہ چلایا گیا ـــــ؟"

"غریبوں کی کون سنتا ہے بیٹا ـــــ اور اس کا تھا بھی کون جو مقدمہ چلاتا ......" بڑھیا نے آہ بھری۔

"اماں ـــــ اس نوجوان کے بیوی بچے نہ تھے؟"

"بیوی تھی ـــــ جوان ...... بچاری ......"

ایک بچہ تھا، چھوٹا سا بڑا پیارا بچہ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ماں بھی جلد بعد بچے کو اکیلا چھوڑ کر خاوند کے پاس چلی گئی ___"

"او ہو! اور بچہ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟" میں نے بے صبری سے پوچھا ___

"اس بچے کا کون تھا۔ اُسے شہر کے یتیم خانہ میں داخل کرا دیا گیا ___ نہ معلوم بچارا آج کل کہاں ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

میں نے جسم میں جھرجھری سی محسوس کی ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں میری ہی کہانی تو نہیں ___ "کیا نام تھا اس بچے کا ___"

"نجیب تھا یا عجیب ___ کچھ ایسا ہی نام تھا"

مجھے چکر سا آگیا ___ واقعی یہ تو میری ہی کہانی ہے ___ میرا باپ مارا گیا تھا ایک شکاری کی گولی سے ۔ آج اگر مجھے وہ شکاری ملے تو اِس بندوق سے اُسے اُڑا دوں ۔ ۔ ۔ ۔ میں نے بندوق تھامتے ہوئے سوچا ___ ہمارا خاندان برباد ہوگیا ۔ ۔ ۔ ۔ ابا چل بسے ۔ ۔ ۔ ۔ اُمی بھی اُن کے پاس پہنچ گئیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یتیم خانہ کا سہارا لینا پڑا ___ خدا بھلا کرے ڈاکٹر صاحب کا جنہوں نے مجھے سنبھالا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ آج نہ معلوم کس حالت میں ہوتا ۔ ۔ ۔

واپسی پر اپنی خیالات میں گم تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اباجان بڑی بے صبری سے میرا انتظار کر رہے تھے ۔

کھانے کے بعد میں نے واپس چلنے کی تجویز پیش کی کیونکہ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی ___ اباجان اور اُمی نے حیرت سے میری تجویز کو سُنا۔ انہوں نے سمجھا شاید ان کی خاطر میں نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے ___

"جیبی بیٹا ۔ ۔ ۔ ۔ ابھی تو آگے جانا ہے ہمیں ___"

"نہیں اباجان ۔ ۔ ۔ ۔ اب واپس چلنا چاہیئے وقت بہت ہو چکا ۔" بالآخر وہ بھی راضی ہوگئے اور ہماری کار واپس مڑی ۔

"خرگوش، خرگوش ۔ ۔ ۔ ۔ جیبی ___" امی نے چلا کر کہا ۔

میں نے بندوق تھامی اور خرگوش کی طرف بڑھا جو ایک قریبی جھاڑی کے پاس پہنچ چکا تھا ___ بندوق کندھے سے دبا کر نشانہ لیا ___ ۔ ۔ ۔ ۔

"جیبی بیٹا ۔ ۔ ۔ ۔ جیبی ۔ ۔ ۔ ۔ ٹھہر جاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"کیا ہے اباجان ۔ ۔ ۔ ۔" میں نے واپس مڑتے ہوئے پوچھا۔

"آجاؤ ۔ ۔ ۔ ۔ گولی نہ چلانا ۔ ۔ ۔ ۔" میں واپس آگیا ۔

"میں نے بھی ایک بار یہیں پر ۔ ۔ ۔ ۔ بالکل اسی جھاڑی پر گولی چلائی تھی اور بجائے خرگوش کے ایک بانکے جوان کا شکار کیا تھا ۔ ۔ ۔"

"کب ؟"

"بہت سال گزر گئے ۔ ۔ ۔ ۔ مگر یوں معلوم دیتا ہے کل کا واقعہ ہے ___"

"کون تھا اباجان وہ ؟"

"اسی گاؤں کا رہنے والا ایک جوان ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس گاؤں کا ہیرو ۔ ۔ ۔ ۔ تم سے بہت ملتا جلتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ تمہیں دیکھ کر مجھے وہ یاد آجایا کرتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔"

اباجان نے جھاڑی کی طرف دیکھا جس کے اندر خرگوش چھپ چکا تھا ___ "بالکل اسی طرح ایک خرگوش پر میں نے گولی چلائی تھی اور قریب پہنچا تو دوسری طرف سے کراہنے کی آواز سنی ___ بے تحاشہ چھرّے اس نوجوان کے لگے تھے ۔ اُسے کار میں ڈال کر

شہر لے گیا۔ مقدور بھر کوشش کی مگر وہ بچ نہ سکا...
..... مجھ پہ گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ چلایا گیا مگر
بری ہو گیا..... کیونکہ اس غریب کی پیروی کرنے والا
کوئی نہ تھا ——

"کیا نام تھا اُس کا ابا جان ——" مجھے اس واقعہ
میں خطرناک مشابہت معلوم ہو رہی تھی....

"شاید کریم نام تھا اُس کا....."

مجھے چکر سا آ گیا..... میرے ہی والد کا واقعہ
تھا..... آہ..... کچھ دیر قبل میں کہہ رہا تھا کہ
قاتل ملے تو اِس بندوق سے اُڑا دوں..... میں نے
بندوق مضبوطی سے تھامی ہوئی تھی —— یا اللہ!
یہ سب انکشافات آج ہی..... میرے باپ کا
قاتل میرے سامنے تھا..... مگر آہ! یہ بھی تو میرا
باپ ہے..... اُس ابا کو اِس ابا نے مارا تو کیا اب
اِس ابا کے خون سے میں اپنے ہاتھ رنگوں؟.....
میں اپنی خیالات میں گم تھا..... نہ معلوم ابا جان کیا
کیا کہہ چکے تھے.....

"کاش میں اُس وقت اتنا شعور رکھتا کہ اس نوجوان
کے خاندان کی خدمت کر سکتا..... مگر اُس وقت جوانی
کے نشے میں کچھ بھی تو نہ کیا..... صرف شکار کھیلنا
ترک کر دیا..... کاش میں اس کے لئے کچھ کر سکتا..
....."

مگر انہیں کیا معلوم تھا کہ انہوں نے اسی نوجوان
کے کام کو ہی انجام تک پہنچایا تھا، اُسی کے بیٹے کو
پالا پوسا تھا —— قدرت نے مجھ سے باپ چھینا
تو اسی کے قاتل کے پاس پہنچا دیا..... ابا جان
یقیناً بدلہ دے چکے ہیں..... مگر میرا عہد...
..... میرے باپ کا خون معاف نہیں ہو سکتا....
میرا خون کھول رہا تھا..... مگر میں ابا کے خون سے
ہاتھ نہیں رنگ سکتا..... انہیں اس کی قیمت بہت
ادا کرنی پڑی ہے ——

واپسی پر انہی خیالات میں گم تھا۔ اُس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ کار کو خطرناک حادثہ پیش آیا..... جس
میں امی اور ابا مجھ سے بھی زیادہ بُری طرح زخمی
ہوئے ——

امی اور ابا کو آج تک میں نے اس راز
سے آگاہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی آگاہ کرنا چاہتا ہوں
..... میں ان کی خدمت مقدور بھر کروں گا۔ کیونکہ
وہی میرے ماں باپ ہیں.....

دیوان اور ناول

★ —— اعلیٰ اشعار کے ایک دیوان نے ایک گھٹیا
درجے کے ناول سے کہا:
"تم جانو! تمہارا کیا کام؟"
"کیوں؟"
"سچ بات سننا چاہتے ہو۔ تمہارا لٹریچر
میں شمار ہی نہیں ہوتا۔"
"واہ! میرے تو ساٹھ ہزار نسخے بک چکے
ہیں۔"

("انگارے")

★ —— ارسطو سے پوچھا گیا "حسن کیا ہے؟" اس
نے جواب دیا۔
"یہ سوال اندھوں سے کرنا چاہیے۔"

(بیکن)

شمیم احمد خالد،
بی۔ایس سی سٹوڈنٹ

مزاح

تعارف

(نام اور کردار فرضی ہیں)

انگریزی زبان کے ایک قول کے مطابق انسان مجلسی حیوان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام دوسری مخلوق مجلس اور سوسائٹی سے بے نیاز ہے لیکن ایک انسان ہی ایسا حیوان بنایا گیا ہے جو کہ مجلسی زندگی گزارتا ہے۔ مجلسی زندگی سے مراد باہمی میل ملاپ، تعلق رشتہ اور بندھن وغیرہ ہیں۔ باہمی تعلق پیدا کرنے میں تعارف کرانے کا بڑا ہاتھ ہے۔ آئیے! آج آپ کو بعض لوگوں سے متعارف کرواؤں۔ ممکن ہے آپ کی آئندہ زندگی میں یہ بھی کوئی "پارٹ" ادا کر سکیں۔

میں ان لوگوں کا تعارف کرانے سے تو رہا جن کو میں نہیں جانتا۔ صرف انہی کا تعارف کرا سکتا ہوں جو میرے ساتھ تھرڈ ایئر کلاس میں پڑھ رہے ہیں۔

● یہ ہیں میرے دوست انور جلال صاحب! آج کل انور تو ہیں نہیں کیونکہ ضعف جگر کے بیمار رہنے کی وجہ سے چہرہ پر سے نور اس طرح غائب ہو گیا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ ہاں جلال مگر کبھی کبھی آ ہی جاتے ہیں۔ ہیں تو دبلے پتلے لیکن ملک کے لئے غیرت بڑی رکھتے ہیں۔ افغانستان سے تنازعہ کے دنوں میں ایک دن بڑے زور سے چھاتی پہ ہاتھ مار کر کہنے لگے "ہم اپنے ملک کے لئے جانیں تک لڑا دیں گے" اور پھر کھانستے کھانستے بے ہوش ہو گئے۔

● پیرزادہ جسیم الدین سے تو آپ قدرے واقف ہی ہوں گے ورنہ دیکھا تو ضرور ہوگا۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے ان کا وزن پورے چار سو من سیر ہے۔ چلتے ہیں تو زمین ساتھ ساتھ دھنستی چلی جاتی ہے۔ گردن اتنی موٹی ہے کہ کھڑے کھڑے اپنی دائیں طرف چار فٹ کے فاصلے پر پڑی چیز کو بھی دیکھنے سے قاصر ہیں۔ صحت کا آپ پوچھیں تو کہیں گے:۔ "یار کیا پوچھتے ہو صحت کا؟ روز بروز گر رہی ہے۔ ابھی پرسوں لاہور سے معائنہ کروا کے آیا ہوں۔ بھوک بھی نہیں لگتی، ناشتہ صرف چار پراٹھوں اور ڈیڑھ سیر دہی کا رہ گیا ہے۔"

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اگر آپ کو "بیخ توڑ" کہا جائے تو ہرگز ناراض نہیں ہوتے۔

● یہ ہیں آپ کے جلیل الرحمٰن صاحب! فلاسفر ٹائپ کے "بندے" ہیں۔ ایک دن کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا کیا سوچ رہے ہو؟ تو کہنے لگے:۔

"اوئے بھئی! وہی دیرینہ سوال کہ پہلے انڈہ پیدا ہوا یا مرغی، لیکن مجھے خود حیرت آ رہی ہے کہ قدرت نے اس پیچیدہ مسئلے کو کس طرح حل کر لیا۔"

دیکھو بھئی! نہ پہلے انڈا تھا اور نہ مرغی۔ سب سے پہلے مرغ پیدا ہوا! ۔ ٹھیک ہے یا نہیں؟" اور پھر انھوں نے مجھے بزور قائل کر ہی لیا۔

عینک اور ٹوپی دونوں چیزیں پہن کر ہاکی کھیلتے ہیں۔ دُور کی چیز دیکھنا ہو تو عینک کو ذرا نیچے کر کے اس کے اُوپر سے دیکھ لیتے ہیں

● ۔ افسوس ہے کہ میں نے 'مستنصر باللہ' صاحب کا تعارف پہلے کیوں نہ کروا دیا۔ اصلی طالب علم تو یہی ہیں۔ ہر وقت کتابوں میں دھنسے رہتے ہیں، اسی لئے کلاس میں فسٹ آتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کسی دن ڈاکٹر جانسن بنوں گا۔ وقت ضائع نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ پیشاب کو بھی پانچ پانچ گھنٹے روکے رکھتے ہیں۔ یونین میٹنگ میں تقریر کرنے کے بڑے شوقین ہیں۔ پہلی دفعہ تقریر کرنے کے لئے اُٹھے تو ڈر کے مارے سوائے زبان کے جسم کا ہر جوڑ ہل رہا تھا لیکن آجکل تو "جبڑے چیر" اور "دندان شکن" تقریر کرتے ہیں۔

● ۔ 'جمیل پرویز' فورتھ ایر کلاس کے "پرنس" کہلاتے ہیں۔ فاخرہ لباس پہنتے ہیں۔ کریم پوڈر کا اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ شبہ ہوتا ہے کہ انھوں نے میک اپ نہیں کیا بلکہ میک اپ نے انھیں کر لیا ہے۔ پاس سے گزر جائیے تو دماغ بعد میں بھی دس منٹ تک معطر رہے گا۔ کلاس روم میں داخل ہوں تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے "مارکوئیس آف پکاڈلی" اپنے باغ میں سرگشت کر رہا ہے۔ محروم تخلص رکھتے ہیں۔ ان کے شعر پڑھ کر زبردستی مُنہ سے نکل جاتا ہے ع

"شاعری چارہ سمجھ کر سب گدھے چرنے لگے"

کہتے ہیں کہ اس دفعہ سالانہ امتحان میں فیل ہو کر اگلے سال یونین کی صدارت کے لئے انتخاب لڑوں گا۔

● ۔ 'ذبیح اللہ' صاحب بجائے خود تعارف ہیں۔ منفی جسامت رکھتے ہیں یعنی دائیں طرف کے جوڑ اور اعضاء بائیں طرف چلے گئے ہیں اور بائیں طرف کے دائیں طرف کھسک آئے ہیں۔ ایک دن ہم دونوں دریا پہ سائیکلوں پہ سیر کو جا رہے تھے کہ سامنے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا ٹرک ابھی نصف فرلانگ کے فاصلے پر ہی ہوگا کہ آپ ڈر کے مارے گر پڑے۔ سائیکل اُوپر اور آپ نیچے۔ ٹرک چلا گیا تو آپ نے میری مدد سے سائیکل سے رہائی پائی۔ دوبارہ سوار ہوئے تو مدھم سی آواز سے گنگنانے لگے ؎

"شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثلِ برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے"

اور میں نے سوچا کہ شاید اقبال نے انھی جیسے شہ زوروں کے متعلق کہا تھا ؎

"محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!"

● ۔ 'آغا شیر خاں' کو دیکھئے۔ پورے عوج بن عنق ہیں یا نہیں۔ (عوج بن عنق وہ تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہت لمبے قد کا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو جو کہ قد میں بقول راوی دس گز اونچے تھے، اس پر ایک دفعہ غصہ آگیا۔ آپ نے اپنا عصا جو کہ ساڑھے آٹھ گز اونچا تھا اُچھل کر اسکو مارا تو بھی وہ عصا اسکے گھٹنے پر لگا) آغا صاحب کو ملاح کہا جائے تو مناسب ہے کیونکہ ہر سال فورتھ ایر کے لڑکوں کو ساتھ لیکر کمرہ امتحان تک چلے جاتے ہیں۔ ان کو تو پار چڑھا آتے ہیں لیکن خود اگلی کھیپ کو پار چڑھانے کیلئے پھر واپس فورتھ ایر میں آجاتے ہیں۔ عالمی مسائل پر سوچنے کا شغل بھی رکھتے ہیں کہتے ہیں کہ اگر آئزن ہاور، بلگانن، چو اور ایڈن میری تجویز پر عمل کریں تو مراکش، کشمیر، فارموسا، عالمی امن اور تیسری جنگ چھینک مارنے سے پہلے حل ہو سکتے ہیں ❖

طنزیہ

یونہی

ابنِ احمد چنگوی

مَیں یونہی لکھنے بیٹھا ہوں۔ اِس کالم کا پیٹ بھرنے کے لئے۔ بس یونہی۔ ہاں تو مجھے یونہی اِس کالم کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ہے۔ کتنی مصیبت ہے بغیر عنوان کے کچھ لکھنا۔ کوئی اگر یہ کہے کہ بھئی تمہیں کیا تکلیف ہے کہ خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو۔ رہنے دو اِس "یونہی" کو یونہی۔ لیکن نہیں بھئی مجھے بڑی تکلیف ہے، آخر یہ بیچارا بھوکا رہ جائیگا۔ ہم جب تک دن میں کم از کم دس بار کچھ نہ کچھ کھا نہ لیں ہماری تسلی نہیں ہوتی۔ اِس بیچارے بے زبان اور بے جان نے کیا قصور کیا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے ——— اچھا تو مجھے اس کے لئے کچھ لکھنا ہے۔ یہ "کچھ" بھی عجب مصیبت ہے۔ نہ کوئی طور نہ کوئی ڈھب بس کچھ ——— اِس کچھ کے متعلق کیا کچھ کہا جائے ۔؟ ناک میں دم آگیا ہے اس یونہی اور کچھ سے۔

کل شام سیر کو جا رہا تھا۔ بڑا اچھا مُوڈ تھا۔ گنگناتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ سامنے سے حضرت میر قریشی صاحب نمودار ہوئے۔ "ہیلو" کدھر کے ارادے ہیں؟"

"بس یونہی یار ذرا تمہارے دیدار کیلئے آ گیا ہوں۔"

انہوں نے (ready made) جواب ناک مارا ——— بُرا ہو اس یونہی کا۔ آدھ گھنٹہ بس یونہی سی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں انکشاف ہوا کہ صاحب کو آج پہلی تنخواہ ملی ہے اس لئے چائے پلانے کیلئے آئے ہیں۔ سیر کا پروگرام ملتوی کیا اور ان کے ساتھ ہو لئے۔ تجویز ہوا کہ مولوی رحمانی کو بھی ساتھ لے لیں۔ رحمانی صاحب کے ہاں پہنچے ——— وہ حساب کی گھتیوں سے اُلجھ رہے تھے۔

"کہو بھئی کیسے آئے؟" انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

"بس ذرا یونہی آپ سے ملنے چلے آئے!" میر صاحب نے وہی رسمی "یونہی" دے مارا۔

"بُرا ہو اِس Mathematics کا" رحمانی صاحب نے معذرت کے انداز میں کہا۔ "بس یونہی بیٹھے بٹھائے خیال آیا کہ یہ گھتیوں کی حل نہیں ہوتی، کوشش کر دیکھیں اور تین گھنٹے سے جھک مار رہا ہوں کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ خواہ مخواہ مصیبت مول لے لی۔ آ بیل مجھے مار۔" ایک رسمی قہقہہ بلند ہوا!۔

"رحمانی یار!" مَیں نے 'لوڈی لو اسٹنٹ' ہوتے ہوئے کہا۔ "حضرت میر صاحب نے آج پہلی تنخواہ حاصل کی ہے اور کچھ مفصّل قسم کی چائے پلانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

"او! فائن" رحمانی نے تقریباً اچھلتے ہوئے کہا۔ "مَیں ذرا کوٹ پہن لوں ———!"

"ذرا نہیں پورا ہی پہن لو" مَیں نے یونہی لقمہ دیا۔

اور ہم سب ہنستے ہوئے ٹی سٹال کی جانب رستہ ناپنے لگے۔

اوہو! میں تو یونہی ان بھول بھلیوں میں کھو گیا۔ میرا مطلب تھا کہ "یونہی" اور "کچھ" بڑی عجیب قسم کی مخلوق ہیں ـــــ ہر جگہ کام آتے ہیں ـــــ کوئی بہانہ نہ ملے تو "یونہی" حاضر ہے اور "کچھ" کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ جب یاد کرو دست بستہ کھڑے ہیں صاحب!۔ اور "یونہی کچھ" تو بہت عام ہیں۔ اب میر قریشی صاحب یونہی چلے آئے۔ پھر دو ہوئے تو دونوں یونہی مولوی رحمانی کے پاس جا پہنچے۔ اب یونہی ٹی سٹال کی جانب رواں دواں ہیں۔ زندگی کا نظام یونہی قائم ہے اور قائم رہیگا ـــــ!

سٹال میں جا بیٹھے۔ سامنے کی میز پر چند بے فکرے قسم کے "نازنین کالج نشین" لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ دائیں طرف بیٹھا ہوا ایک سخت قنوطی قسم کا شاعر جانے کس پینک میں اونگھ رہا تھا۔ کبھی ہنسنے لگتا۔ کبھی یکدم سنجیدہ ہو جاتا۔ کبھی جھومنے لگتا اور کبھی آنکھیں بند کر کے بالوں کو کھجلانے لگتا۔ یہ شاعر بھی عجیب مخلوق ہیں ـــــ خصوصاً اُس شاعر کے تو "مافوق البشریت" ہونے میں کوئی کلام نہیں ـــــ بھلا ایسی حرکتیں انسان بھی کرتے ہیں؟ ـــــ چھوڑیئے ان باتوں کو میں یونہی اس جھمیلے میں پڑ گیا ہوں۔ میر صاحب نے چائے کا آرڈر دیا اور سکول کی باتوں میں مصروف ہو گئے ـــــ

یہ عجیب دوست ہیں ـــــ جب ملیں گے یونہی! اور جہاں جائیں گے یونہی ـــــ سب سے پہلی بات جو اُن کے مُنہ سے نکلے گی وہ یونہی سی ہوگی۔ اور بعد میں وہ سکول کے قصے چھیڑیں گے کہ الامان! یہ سکول ماسٹر کیا ہو گئے ہمارے لئے وبالِ جان بن گئے ـــــ لیکن اس وقت انہیں ٹوکنا مناسب نہیں۔ "آخر معقول چائے" پینی ہے۔ گرم گرم چائے اور سوندھی سوندھی خوشبو والا حلوہ!

مولوی رحمانی خلافِ معمول موڈ میں نہیں ہے۔ حد سے زیادہ سنجیدہ ہے شاید تھیوری کو اپنے اوپر apply کرنے کی کوشش میں مصروف ہے ـــــ تھوڑی دیر بعد صاحب یونہی چونک اٹھیں گے۔ اور جب دریافت کیا جائے گا کہ "صاحب کیا معاملہ ہے؟" تو جواب یہی ہوگا کہ "یونہی کسی خیال کی رَو میں بہہ گیا تھا ـــــ"

یہ کیا ہے؟ ہر بات میں "یونہی"۔ مجھے تو وحشت ہونے لگی ہے اس یونہی سے۔ لیکن نہیں۔ اس یونہی کا قصہ بڑا لمبا ہے۔ ابھی "یونہی" ہمارے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شاعر صاحب ہمیں اپنا تازہ کلام سنانے پر تُل جائیں گے۔ لیجئے وہی ہوا۔ وہ پر تول رہے ہیں ـــــ اسے لو! وہ وہاں سے اُٹھ کر ہمارے سامنے آ بیٹھے ـــــ "آپ کا تعارف؟" انہوں نے چھوٹتے ہی میر صاحب سے کہا۔

"یہ ہیں جناب میر قریشی صاحب۔ ہمارے ..... سکول میں ٹیچر ہیں ـــــ" میں نے تعارف کرایا۔

"اور آپ؟" انہوں نے مولوی رحمانی صاحب سے پوچھا ـــــ

"یہ ہیں مولوی رحمانی کالج کے ہونہار طلباء میں سے ایک ـــــ اور خاکسار کو ابنِ احمد چنگوی کہتے ہیں۔"

"اور آپ؟"

"میں نے پہلے ہی اپنا تعارف کرا دیا۔ جی خاکسار نابکار، ہیچمدان، کج مج زبان کا نام بے ننگ و نام و

خیالِ خام مندرجہ بالا ہے جو مَیں نے عرض کیا ہے —— مَیں نے "یونہی" ذرا آپ احباب سے تعارف کرنے کی خاطر آپ کو تکلیف دی ہے ——"

"آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی" قریشی اور رحمانی نے یکزبان ہو کر کہا .... مجھے خاموش دیکھکر وہ بولے

"آپ کیوں خاموش ہیں؟"

مَیں نے گستاخی کرتے ہوئے کہا —— "اجی سچ پوچھئے تو مجھے تو قطعاً کوئی مسرت نہیں ہوئی۔ بلکہ سخت کوفت ہوئی ہے ——"

وہ اتنی سی بات پر یونہی ناراض ہو گئے اور اُٹھ کر چل دیئے۔

جان بچی لاکھوں پائے۔ تینوں نے ایک "ہوٹل بوائی" قہقہہ لگایا۔

یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ بے چارہ یونہی شعر سنانے کی غرض سے آیا تھا۔ ہم نے یونہی اسے ناراض کر دیا —— یہ تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔ اس بازاری قسم کے ہزاروں شاعر یہاں پھرتے ہیں۔ کس کس کی پروا کوئی کرے۔ لیکن بہرحال اس یونہی نے ناک میں دم کر رکھا ہے —— ہر قدم پر یونہی سے مڈبھیڑ ہوتی ہے اور ہر گام پر "یونہی" سے واسطہ پڑتا ہے۔ اب کیا کریں، نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ یہ بھی مَیں نے شاید یونہی لکھ دیا ہے ورنہ اسکا تو کوئی مقام نہیں یہاں۔

ہوٹل سے نکلے۔ رسمی سلام کیئے اور گھروں کو چل دیئے۔ اب کل پھر ہم میں سے کوئی ساتھی "یونہی" چائے پینے یا پلانے کے لیئے آجائیگا اور یونہی کا دور چلتا رہے گا —— اس قسم کے بازاری شاعر یونہی بھٹکتے رہیں گے اور زندگی گذرتی رہیگی —— "یونہی" اور صرف "یونہی"!

منور احمد ملی

میرے پسندیدہ اشعار!

شبِ وصال ہے گُل کر دو ان چراغوں کو
خوشی کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا

حُسنِ ازل کو دیکھوں یا حُسنِ عارضی کو
اے چاند! تُو ہی کہدے میرا طریق کیا ہو

خواب میں آکر کہہ گئے خواب میں بھی نہ آئینگے
ہم نے کہا کبھی کبھی، کہنے لگے کبھی نہیں

تمہیں تو مجھ سے پہلے بزم میں موجود ہونا تھا
یہ دنیا کیا کہے گی شمع پروانے کے بعد آئی

آغا شاہین

تخلیق سے قبل اور تخلیق کے بعد

مَیں وقت کے کھنڈروں میں بیٹھا۔ کاغذ کے سپید گوں آسماں پر ستارے بنا رہا ہوں۔ مُردہ مردہ!..... ..... مدھم مدھم!!..... بجھے بجھے!!!

یہ کون کہکشاں کے موڑوں سے پڑتا۔ لمحوں کے زینوں پر قدم رکھتا میری طرف آرہا ہے...... ہولے ہولے...... دھیرے دھیرے۔

یہ کون میرے ذہن کی سڑک پر قدم رکھتا بڑھا آرہا ہے۔

ہولے ہولے...... دھیرے دھیرے۔

اس کے قدموں کی چاپ ——

جیسے ننھے ننھے گھنگھروؤں کی تان

جیسے پھول سے ٹوٹ کر گھاس پر گرنے والی پنکھڑیوں کی آواز

جیسے کنواری کلی کے اچھوت ہونٹوں کو چومنے والے شبنم کے قطروں کے سر

جیسے......!؟

جیسے......!؟

کیا بتاؤں کیسی آواز

ایک بے آواز سی آواز۔ بس بڑھی آرہی ہے۔

ہولے ہولے...... دھیرے دھیرے۔

....

یہ میری کاغذی سپید گوں آسمان والی کائنات میں زندگی کیسی؟

میرے فائلوں اور کتابوں کی قبروں میں گڑے ہوئے مُردہ افسانے زندہ کیسے ہو گئے؟

یہ میری کانپتی ہوئی انگلیوں کی گرفت میں آئے ہوئے قلم مانی[1] کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ کیسے جم گئی؟

۱؎ روم کا مشہور مصور جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

یہ کون میرے خیالوں کے جھنڈوں میں برسات کے بھیگے ہوئے چھوٹے ڈالے بسنتی رنگ کے دوپٹے اوڑھے ملہار کے گیت گا رہی ہیں۔

ارے دیو اتے! یہ تیری وہ کنواری اور چھوٹی موٹی کہانیاں ہیں جن کو ابھی تک تم نے دلہن بنا کر کاغذ کی سیج پر نہیں بٹھایا۔

زمانے کے جسم میں وقت کا خون کھول رہا ہے۔
نور کا سینہ پھولتا جارہا ہے۔
اور اس کے قدموں کی چاپ بڑھتی جارہی ہے

. . . .

اس کے قدموں کی چاپ کون سے ہنگاموں میں گم ہوگئی۔
کس زلزلے نے لمحوں کے زینوں اور کہکشاں کے موڑوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا
یہ ماضی کے شمشان میں یاد کی چتا کی جلتی ہوئی راکھ کہاں اڑ گئی۔
پھول سے ٹوٹ کر گھاس پر گرنے والی پنکھڑیوں کی آواز کو خزاں کی چیختی ہوئی ہوا کہاں اڑا کر لے گئی۔
خیالات کی کودتی جھومتی لہریں نہ جانے کس پہاڑ سے سر ٹکرا کر اپنی زخمی پیشانی پر جھاگ کا خون لیئے ہانپ رہی ہیں سسک رہی ہیں۔ بلبلا رہی ہیں!!!
روشنی کا سینہ کسی سِل کے مریض کے پھٹتے ہوئے پھیپھڑوں کی طرح ہے۔
زمانے کے جسم میں وقت کا خون دوڑ رہا ہے۔
اور میں لمحوں کے کھنڈروں میں بیٹھا ستارے بنا رہا ہوں۔
مُردہ مُردہ!...... مدھم مدھم!!..... بجھے بجھے!!!

———— × ═ × ————

"موت"

- —— موت ایک نیند ہے، جو سوتا ہے بیدار نہیں ہوتا۔ (خسرو)
- —— موت ایک دروازہ ہے، جس میں سے ہر ایک کو گزرنا پڑتا ہے۔ (سعدی)
- —— زندگی ختم ہو جاتی ہے، لیکن موت زندہ رہتی ہے۔ (ملٹن)

حمیداللہ خان سال اوّل [1]
رول نمبر ۳۱

مسلمان اور علم جُغرافیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب دینی اور دنیوی علوم کے لحاظ سے دنیا کی پسماندہ ترین اقوام میں شمار ہوتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور ترقی کی راہ پر گامزن کیا۔ جیسے جیسے اسلام وسعت اختیار کرتا چلا گیا اہلِ عرب کے دینی اور دنیوی علوم میں بھی توسیع ہوتی گئی۔ وہی قوم جسے اجہل اور غیر مہذب ترین خیال کیا جاتا تھا اب ہر قسم کے علوم میں طاق اور مہذب ترین خیال کی جانے لگی۔ جہاں عربوں میں فنکار تھے وہاں اب اُن کے ساتھ ساتھ علماء کا ظہور بھی ہونے لگا۔ عربوں بلکہ مسلمانوں کے فنِ کمال کو تو ہر ایک تسلیم کرتا تھا اور کرتا ہے مگر اُن کی علمی جدوجہد کو کسی نے سراہا تک بھی نہیں۔ جہاں مسلمانوں نے دوسرے علوم میں ترقی کی وہاں وہ علم جغرافیہ میں کسی سے کم نہ تھے۔

اس مقالہ میں "مسلمان اور علم جغرافیہ" کے موضوع پر کچھ معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے گذشتہ ادوار میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ اور یہ دیکھا جا سکے کہ ہم کس حد تک ان کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ کیونکہ ہمیشہ کامیاب قوم اور کامیاب افراد کی اتباع سے ہی کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دینی علوم کو ایک غیر معمولی ترقی ہوئی اور دنیوی علوم پسِ پشت ہی رہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں جہاں علوم روحانی کو ترقی ہوئی وہاں مسلمانوں نے عربی زبان کی گرامر کو معرض وجود میں لانے کے لئے کافی شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ خلفائے راشدین کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں نے عربی گرامر، علم تاریخ، سائنس، شاعری اور فن تعمیر میں ایک غیر معمولی حد تک کمال حاصل کیا۔ جہاں تک علم جغرافیہ کا تعلق ہے، اوّل تو اس پر کوئی کتاب ابھی ہی نہیں لکھی گئی اور اگر لکھی گئی ہے تو اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں۔

اس کے بعد بنو عباسیہ کا عہد حکومت آتا ہے۔ اس عہد کو علوم کی ترقی کے لحاظ سے ایک خاص شہرت حاصل ہے۔ جہاں دوسرے علوم کو عروج حاصل ہوا وہاں علم جغرافیہ کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ علم جغرافیہ کو وسعت دینے میں مسلمان تاجر اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ تجارت عربوں کے اہم ترین پیشوں میں شمار ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں مسلمان تاجروں کو دور دراز کے ممالک میں جانے کا اکثر اتفاق ہوتا تھا

[1] حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ

جہاں وہ تجارت کے ساتھ ساتھ وہاں کے تمدنی اور معاشرتی اور جغرافیائی حالات کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ اُن کا یہ مطالعہ بعد میں مختلف زبانوں میں کتابی صورت میں ظاہر ہوتا رہا۔ مسلمان علماء نے نہ صرف تاجروں کی زبانی سُنے ہوئے حالات کو ترویج دی بلکہ غیر زبانوں کی کتب کا عربی میں ترجمہ بھی کیا اور ان کی یہ کوشش علم جغرافیہ کی تکمیل میں کسی حد تک ممد و معاون ثابت ہوئی۔

مسلمانوں نے غیر زبانوں کی جغرافیہ کی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے علاوہ خود بھی کئی مفید کتابیں لکھیں جو یا تو مصنفین کی ذاتی تحقیقات کا نتیجہ تھیں اور یا اُن لوگوں کی تحقیقات کا نتیجہ تھیں جو صرف اسی مقصد کے لئے غیر ممالک میں بھیجے گئے تھے۔

سب سے پہلے میں مسلمان تجار اور ان کی بہم شدہ معلومات کو لیتا ہوں:-

ساتویں اور نویں صدی عیسوی کا درمیانی عرصہ اس سلسلہ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمان تجار تقریباً دُنیا کے تمام گوشوں میں پھیل گئے۔ وہ مشرق میں چین، جنوب میں جزیرہ زنجبار اور افریقہ اور شمال میں روس تک گئے۔ وہ مغربی ممالک میں بھی جاتے مگر جہازرانی نے اُس وقت اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ جہاز بحر اوقیانوس ایسے طوفانی سمندر کو بلا خوف و خطر عبور کر لیتے۔ ان تجار نے واپسی پر مختلف ملکوں کے حالات سُنائے جنہیں کتابی صورت دے دی گئی اور بعد میں وہ علم جغرافیہ کا ایک مفید ذخیرہ ثابت ہوئے۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ غیر ممالک کے حالات سُن کر لوگوں میں اُن کے دیکھنے کا شوق بڑھتا گیا اور یہ علم جغرافیہ کے لئے معلومات حاصل کرنے کا ایک مستقل ذریعہ بن گیا۔

"الف لیلہ" کی کہانیاں (جن میں سندباد جہازی کی داستان بھی شامل ہے) بھی ان تاجروں کی زبانی سُنے ہوئے حالات کا ایک حصہ تصور کی جاتی ہیں۔

اُس زمانہ میں سلیمان نامی تاجر چین گیا اور واپسی پر اس نے ہندوستان کے ساحل کا دورہ بھی کیا۔ اُسکے بیان کردہ حالات پر مشتمل ایک کتاب دستیاب ہوئی ہے (کتاب اور مصنف کا نام معلوم نہیں ہو سکا) اس کتاب میں چین کے تمدنی و معاشرتی حالات کے علاوہ وہاں کی آب و ہوا اور پیداوار کے متعلق کافی مفید معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ اس کتاب میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ چین میں انگلیوں کے نشانات کو دستخطوں کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تصور کی جاتی ہے۔

اسی زمانہ میں احمد ابن فضلان اور ابن حماد روس گئے۔ انہوں نے روس کے جغرافیائی حالات کے متعلق کافی مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ یاقوت (جو کہ چوٹی کے مسلمان جغرافیہ دانوں میں شمار ہوتا ہے) نے بھی احمد ابن فضلان کی تحقیقات کو کتاب "معجم البلدان" میں درج کیا ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان علماء نے علم جغرافیہ کی اشاعت اور اس کو سمجھنے کیلئے غیر ملکی تصنیفات کا عربی میں ترجمہ بھی کیا۔ اس ضمن میں یعقوب ابن اسحاق الکندی اور ثابت ابن قرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان ہر دو نے بطلیمی (جو کہ ایک یونانی عالم تھا) کے جغرافیہ کے دو مختلف تراجم کئے۔ یہ علم جغرافیہ کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ خوارزمی نے اپنی کتاب "صورۃ الارض" تراجم انہی دو تراجم کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھی۔ اور یہ علم جغرافیہ میں بنیاد کی حیثیت کی مالک ہے۔ اس کتاب کے ساتھ زمین کا ایک

نقشہ بھی شائع ہوا جس کو اکثر علماء (جن میں خوارزمی بھی شامل تھا) نے تیار کیا۔ یہ بیان کرنا بھی مناسب ہوگا کہ ان علماء کے نزدیک زمین گول تھی نہ کہ مجوف۔ اور انہوں نے اپنی تصنیفات کو اسی نظریہ کے ماتحت لکھا۔

المسعودی (دسویں صدی کا مشہور و معروف جغرافیہ داں ہے) نے اپنی تصنیفات کی بنیاد اسی نقشہ پر رکھی۔ نیز خوارزمی کے جغرافیہ کو اکثر علماء نے اپنی تصانیف میں استعمال کیا ہے۔ ابو الفدا لکھتا ہے کہ خوارزمی کا جغرافیہ چودھویں صدی عیسوی تک جغرافیہ کے مصنفین کے لئے مشعل راہ بنا رہا۔

ان کے علاوہ اور بھی بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ ابن خرداذبہ نے ایک رسالہ "المسالک والممالک" کے نام سے جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ ۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ ابن الفقیہ و ابن حوقل اور المقدسی نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ نہ صرف ان علماء نے اپنی کتابیں لکھنے میں اس سے مدد لی بلکہ بعد میں آنے والے علماء نے بھی اس کتاب سے کافی مدد لی۔

۸۹۱ء میں شیعہ ابن واضح الیعقوبی (جو آرمینیا کا رہنے والا تھا) نے "کتاب البلدان" نامی ایک کتاب لکھی اور اس میں مختلف ممالک کے جغرافیائی حالات پر روشنی ڈالی۔ ۹۲۸ء میں قدامہ نامی ایک شخص (جو کہ پہلے عیسائی تھا اور بعد میں مسلمان ہوگیا اور بغداد میں محکمۂ لگان میں ایک ممتاز عہدہ پر فائز تھا) سے نے "الخراج" نامی ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں جہاں اس نے پوسٹل سروس اور ٹیکس کے متعلق مفید تجاویز پیش کیں وہاں ملک کو مختلف مناسب حصوں میں تقسیم کرنے پر بھی اصرار کیا۔ مختلف ممالک کی موجودہ سیاسی تقسیم اگر قدامہ کی پیش کردہ تقسیم کو پیش نہیں کرتی تو کم از کم اس کی اصلاح شدہ صورت کو ضرور پیش کرتی ہے۔

۹۰۳ء میں ابن رستہ نامی ایک شخص نے "الاعلاق النفیسہ" نام کتاب لکھی اور اس میں اپنے مختلف سفروں کے حالات لکھے۔ رستہ پیدائش کے لحاظ سے فارسی النسل تھے اور بعد میں آکر عرب میں آباد ہوگئے۔ یہ تو معلوم نہیں ہوسکا کہ انہوں نے کس جگہ کے حالات لکھے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ انہوں نے اپنے عرب اور فارس کے درمیان کے سفر کے حالات لکھے ہوں گے۔ اسی سال ابن الفقیہ الہمدانی نے اپنی کتاب "کتاب البلدان" مکمل کی۔ اس کا ذکر المقدسی اور یاقوت کی کتب میں اکثر پایا جاتا ہے۔

اس کے بعد سائنٹفک جغرافیہ دانوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کی ابتدا الاصطخری، ابن حوقل اور المقدسی نے دسویں صدی کے وسط میں اپنی تصنیفات سے کی۔ الاصطخری نے ۹۵۰ء میں "مسالک الممالک" نامی کتاب لکھی جس میں مختلف ممالک کے جغرافیائی حالات کو رنگدار نقشوں کے ذریعہ واضح کیا۔ (اس طریق کا اصل موجد ابو زید البلخی تھا جس نے اس کام کی ابتدا ایک چھوٹے پیمانہ پر ۹۲۱ء میں کی۔ مگر اس کے کام کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں) اور اسلامی ممالک کے حالات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ابن حوقل نے الاصطخری کے کہنے پر اس کتاب کو دہرایا اور المسالک الممالک کا نیا نام دے کر شائع کیا۔ المقدسی کو بھی ابن حوقل اور الاصطخری کا ساتھی خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے سپین کے سوا تمام اسلامی ممالک کا سفر کیا اور اپنے بیس سالہ سفر کے حالات "احسن التقسیم فی معرفۃ الاقالیم" میں بیان کئے ہیں۔ اس میں مختلف اسلامی ممالک کی آب و ہوا کے متعلق

خاص طور پر مفید معلومات ملتی ہیں۔

اسی زمانہ میں ایک یمنی عالم الحسن ابن احمد الہمدانی نے "الاکلیل" اور "صفۃ جزیرۃ العرب" دو کتابیں لکھیں جن میں ... نے زمانہ ... اس وقت کے جغرافیائی حالات کا مواد ذکر کرنے کے بعد ان کے تبدیل ہونے کی وجوہات بیان کیں۔

اسی زمانہ میں المقدسی نے کرہ و بادل کے متعلق ایک تھیوری پیش کی اور دائرہ کے ساتھ اس چیز کو بھی پیش کیا کہ بعض اوقات پہاڑ قابل کاشت زمینوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور قابل کاشت زمینیں صحراؤں میں تبدیل ہو جاتی ہیں وغیرہ۔ اور ان کی وجوہات کیا ہیں اور تغیرات کے دوران اندرونی اور بیرونی حرکات کی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس نے erosion cycles کے متعلق ایک تھیوری پیش کی۔ المقدسی کے بعد نیوٹن نے اس چیز کو پیش کیا ورنہ آج تک erosion cycles کے متعلق کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی۔

بنو عباس کے زوال سے پہلے یاقوت ابن عبد اللہ الحماوی (۱۱۷۹ ---- ۱۲۲۹) ایک بہت مشہور جغرافیہ دان ہوئے ہیں۔ یہ ایشیائے کوچک میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہاں سے ایک تاجر انہیں ان کو بغداد لے آیا۔ اس تاجر نے ان کو تعلیم دلوائی اور کئی سال تک اپنا کلرک رکھنے کے بعد آزاد کر دیا۔ ۱۲۱۹ء میں جب تاتاریوں کا حملہ ہوا تو آپ بغداد کو چھوڑ کر موصل چلے گئے۔ یہاں انہوں نے ۱۲۲۴ء اور ۱۲۲۸ء کے درمیان "معجم البلدان" اور "معجم الادباء" دو کتابیں لکھیں۔ ان میں مختلف شہروں کے نام حروف تہجی کے حساب سے لکھے ہیں۔ اور نیز یہ طبعی جغرافیہ کی ایک نہایت ہی مفصل کتاب ہے۔ یاقوت نے تاریخ پر بھی کافی کتابیں لکھی ہیں۔

عربوں کی علمی تحقیقات کا یورپ اور دوسرے ممالک کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ لاطینی جو یورپ کی مشہور و معروف زبان تھی اس میں ان کتب کا ترجمہ کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ عربوں کی کتب مغربی ممالک میں ضرور گئیں مگر بہت تھوڑی مقدار میں۔

بنو عباس کے عہد میں ایک قابل قدر اور اہم کام ہوا۔ وہ یہ کہ مختلف مقامات کے لوگوں کو کعبہ کی صحیح سمت معلوم کرنے میں تکلیف ہوتی تھی اور یہ نماز کی ادائیگی کی راہ میں ایک مشکل تھی جسے حل کرنا لازمی تھا۔ اس مقصد کے لئے طول بلد اور عرض بلد کی بنیاد رکھی گئی۔ اور یہ مختلف مقامات کے محل وقوع معلوم کرنے اور سمتوں کے معلوم کرنے میں ممد ثابت ہوئے۔

یہ چند ایک قابل ذکر باتیں تھیں جو بنو عباس کے زمانہ میں ہوئیں اور علم جغرافیہ کی تاریخ میں بہت اہم ہیں۔ اس کے بعد ۱۲۵۵ء میں ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کیا اور بنو عباس زوال پذیر ہوئے۔

اب میں اس زمانہ کو لیتا ہوں جب مسلمان سپین پر حکمران تھے اور وہاں علم جغرافیہ کو جو ترقی ہوئی اب وہ بیان کی جائے گی۔ یہ زمانہ آٹھویں صدی کے نصف سے لے کر چودھویں صدی کے ابتداء تک ممتد ہے۔ اس عرصہ کے درمیانی حصہ یعنی گیارھویں صدی میں مسلمان انتہائی عروج پر پہنچے۔

ابو عبید عبد اللہ ابن عبد العزیز البکری اس زمانہ کا مشہور ترین جغرافیہ دان تھا۔ اس نے بھی المسالک والممالک نامی ایک کتاب لکھی۔ یہ کتاب علم جغرافیہ میں بہت اہمیت کی مالک ہے۔ ایک اور جغرافیہ دان ابو عبد اللہ محمد ابن محمد الادریسی ہوئے ہیں۔ یہ سسلی میں پیدا ہوئے اور بعد میں وہاں کے بادشاہ روجر ثانی (Roger II) کے بہترین

دریاؤں میں شمار ہونے لگے۔ ۱۱۵۳ء کے قریب کے زمانہ میں انہوں نے "نُزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق" نامی ایک کتاب لکھی۔ جس میں بطلیموس اور المسعودی کی تحقیقات کے علاوہ تاجروں کی زبانی سُنے ہوئے حالات بھی درج کئے گئے ہیں۔ اس میں زمین کے گول ہونے اور بیضوی نہ ہونے کے متعلق زبردست بحث کی گئی ہے۔ ابوعبداللہ نے زمین کا چاندی کا ایک (گول) ماڈل بھی بنایا اور اُسے اپنے استاد کو بطور تحفہ پیش کیا۔

الادریسی کے بعد صرف سیاحوں کی زبانی سُنے ہوئے حالات کو بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ اس زمانہ کا مشہور سیاح ابن جُبیر ابوالحسین محمدؐ ابن احمدؐ تھا۔ اس نے ۱۱۸۳ء اور ۱۱۸۵ء کے درمیان غرناطہ سے لے کر مکہ تک کا سفر کیا اور اور اسی دوران میں مصر اور دوسرے ممالک کی سیاحت بھی کی۔ ۱۱۸۹ء اور ۱۱۹۱ء کے درمیان اس نے مشرق کا ایک سفر کیا اور اس کے بعد ۱۲۱۷ء میں اسکندریہ کے مقام پر فوت ہوگیا۔ "رحلۃ" نامی کتاب اس کے پہلے سفر کے حالات کو اُجاگر کرتی ہے۔ اور یہ کتاب عربی لٹریچر میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔

غرناطہ میں ایک اور مسلمان جغرافیہ دان ہوا ہے' اس کا نام ابوحمید محمد المازنی تھا۔ وہ ۱۱۳۶ء میں روس گیا اور وہاں کے تجارتی حالات اور پیداوار کے متعلق مفید معلومات بہم پہنچائیں۔

محمدؐ ابن عبداللہ ابن بطوطہ کے اس میدان میں داخل ہوتے ہی المازنی کی شہرت میں کمی واقع ہوتی گئی۔ ابن بطوطہ ۱۳۰۴ء میں تنجہ کے مقام پر پیدا ہوا اور ۱۳۷۷ء میں مراکش کے مقام پر وفات پائی۔ اس نے ۱۳۲۵ء اور ۱۳۵۴ء کے درمیان چار سفر کئے۔ پہلے اس نے اسلامی ممالک کی سیاحت کی۔ پھر وہ مشرق کی طرف گیا۔ اور سیلون، بنگال، جزائر مالدیپ اور چین کی سیاحت کی۔ اس کے بعد وہ قسطنطنیہ بھی گیا۔ ۱۳۵۲ء میں وہ اپنے آخری سفر میں افریقہ گیا۔ ابن بطوطہ نے ان تمام سفروں کے حالات لکھے ہیں اور یہ بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

اس کے بعد مسلمانوں کے زوال کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے اور صلیبی جنگوں کا آغاز ہُوا۔ اور مسلمان کلّی طور پر مغلوب ہوگئے۔ اس کے بعد مسلمانوں میں علوم کو بھی زوال آنا شروع ہوگیا اور کوئی قابلِ ذکر ترقی نہ ہوئی +

(بشکریہ عربی سوسائٹی)

✶ ایک چھوٹی سی لڑکی دس روپے کا چیک لیکر بنک میں گئی اور کلرک کو کہا — "کیا آپ مجھے دس روپے عنایت کریں گے ؟"

دس روپوں کو اس نے احتیاط سے گنا پھر اُس کے پاس پہنچی — "کیا آپ مجھے اِن کے بدلے میں اٹھنیاں دے سکیں گے ؟"

اُس نے اٹھنیاں گنیں اور پانچ منٹ بعد پھر گئی — "کیا آپ مجھے ان کے بدلے چونیاں دیں گے ؟ —"

چونیاں گن کر وہ پھر پہنچی — "کیا آپ مجھے ان کی دونیاں دے سکیں گے ؟"

کلرک تنگ آگیا — "کیا مذاق بنا رکھا ہے۔ کیا کر رہی ہو — ؟"

"حساب سیکھ رہی ہوں" لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا +

محمد اسلام بھٹی

تعلیم الاسلام کالج کا "جغرافیہ"

پیش لفظ

بزرگو، بھائیو اور عزیزو!

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ کسی ملک کے جغرافیائی حالات معلوم کرنا کتنا ضروری امر ہے۔ اور شاید اسی لئے ہر ملک، ہر صوبہ، ہر ضلع اور ہر تحصیل کا جغرافیہ لکھا گیا ہے۔ مگر تجربہ شاہد ہے کہ کسی ملک کا جغرافیہ لکھنے والا عموماً بذاتِ خود اس ملک کا باشندہ نہیں ہوتا یہ بات کچھ چھپی نہیں۔ کہ اہلِ مشرق مغربی ممالک کا جغرافیہ لکھنا شروع کر دیں اور مغربی جغرافیہ دان مشرقی ممالک کا جغرافیہ قلمبند کرتے ہوئے اپنی مخبوط الحواسی اور کوتاہ نظری کا ثبوت دیں۔ لہذا اسی "خیال مبارک" کے پیشِ نظر جغرافیہ تعلیم الاسلام کالج لکھا گیا ہے۔ گو میرے آباؤ اجداد میں سے آج تک کوئی جغرافیہ دان نہیں ہوا۔ مگر تعلیم الاسلام کالج کی چار سالہ قومیت نے مجھے اس ملک کا "اصلی باشندہ" بنا دیا ہے اور اسی جوشِ قومیت نے مجھے تعلیم الاسلام کالج کا جغرافیہ لکھنے پر اُبھارا ہے۔ تمام قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اگر ان کی طبائع پسند فرمائیں تو ایک دفعہ ضرور اس علم سے بھی لطف اندوز ہوں۔ مگر ہاں یہ خیال رکھیں کہ وہ ایک "باعقل" بچے کے اس مشہور مقولہ پر عمل نہیں کریں گے کہ

تاریخ و جغرافیہ بڑے بے حیا
ادھر یاد کر لو اُدھر بھول جا

محلِ وقوع

پاکستان کی دو بڑی مشہور گاڑیاں پنجاب ایکسپریس اور ماڑی انڈس ہر روز تقریباً چار دفعہ اس ملک کی شمالی سرحد پر سے گزرتی ہیں۔ اور ہزاروں انسان روزانہ اس ملک کے دلکش مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ گو وہ چند سیکنڈ سے زیادہ اس ملک کی فضا میں سانس نہیں لے سکتے۔ کیونکہ گاڑیاں بڑی تیزی سے اس ملک کی حدود کو پار کر جاتی ہیں۔

حدودِ اربعہ

مشرق میں سائنسدانوں کا ملک فضل عمر ریسرچ واقع ہے۔ مغرب میں تعلیم الاسلام ہائی سکول ہے۔ اس ملک میں زیادہ تر عقل کے کچوں کی قوم بستی ہے۔ اسلئے تعلیم الاسلام کالج کی اس سرحد پر ایک مضبوط اور لمبی فصیل بنا دی گئی ہے اور تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں تاکہ یہ شرارت پسند قوم بلا اجازت ہی تعلیم الاسلام کالج کی حدود میں گھس کر موجبِ دردِ سر نہ بنے

تعلیم الاسلام کالج کے شمال میں مذکورہ بالا گاڑیوں کی مشہور پٹڑی ہے اور اس سے پرے سلسلۂ کوہ شروع ہو جاتا ہے۔

جنوب میں وسیع میدان ہیں جن میں اگرچہ پانی کی افراط ہے مگر ابھی تک سبزہ وغیرہ نظر نہیں آتا۔

قدرتی تقسیم

تعلیم الاسلام کالج کے وسیع ملک کو ہم تین قدرتی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:-

(۱) تعلیم الاسلام کالج خاص۔
(۲) ریاست فضل عمر ہوسٹل۔
(۳) سطوح مرتفع کوٹھی و گرد و نواح۔

(۱) تعلیم الاسلام کالج خاص

یہ اس ملک کا سب سے بڑا حصہ ہے۔ اور دو صوبوں میں منقسم ہے۔ (۱) صوبہ سائنس اور (۲) صوبہ آرٹس۔

صوبہ سائنس:- صوبہ آرٹس کی نسبت بہت بڑا ہے اسلئے تین مشہور کمشنریوں شعبہ طبیعیات شعبہ کیمیا اور شعبہ بیالوجی میں منقسم ہے۔ یہ صوبہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اور اس ترقی کی سب سے بڑی وجہ یہاں کے کارخانے ورکشاپ اور فیکٹریاں وغیرہ ہیں۔ جہاں ملک کے کئی سائنسدان اور انجینئر بڑی جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ ابھی تحقیق کا کام جاری ہے۔ اور ماہرین کو قوی امید ہے کہ چند ہی سالوں میں ان فیکٹریوں اور ورکشاپوں میں بڑی فائدہ مند چیزیں بننا شروع ہو جائیں گی اور کوئی بعید نہیں کہ اس صوبہ کا کوئی سائنسدان ہائیڈروجن بم کی بنا لے اور اس طرح امریکہ اور روس کو بھی مجبور ہو کر اس صوبہ کے سائنسدانوں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔

صوبہ آرٹس:- صوبہ سائنس کی نسبت زیادہ گنجان آباد ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ صوبہ رقبہ میں چھوٹا ہے۔ اس کے علاوہ یہ صوبہ فیکٹریوں وغیرہ سے بالکل مبرا ہے۔ اس لئے یہاں کی فضا مختلف گیسوں کی بدبو اور دھوئیں سے بالکل پاک ہے۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس صوبہ کے باشندے صوبہ سائنس کے باشندوں کی نسبت زیادہ ذہین، تیز فہم اور جسمانی لحاظ سے قوی ہوتے ہیں۔ اس ملک کے بڑے بڑے لیڈر، رہنما اور ادیب اسی صوبہ کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ملک کے مرکزی دفاتر اور حکومت کی مشینری کو چلانے والے ارباب بھی اسی صوبہ میں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ صوبہ سارے ملک پر فوقیت رکھتا ہے۔

مگر سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ یہ دونوں صوبے دن کے وقت بستے ہیں اور رات کے وقت سنسان ہو جاتے ہیں۔ راتوں کو صرف بجلی کے لیمپ ہی ان صوبوں کو بقعۂ نور بنا کر انہیں آباد کرتے ہیں ورنہ یہ دنیا والے لوگ تو دن کو یہاں اور رات کو وہاں ...... کہیں دور۔

ان صوبوں میں گورنری راج ہے۔ دونوں گورنر پائے کے مدبر اور جہاندیدہ بزرگ ہیں۔ اور اپنے اپنے صوبے کی ترقی و خوشحالی کیلئے رات دن ایک کر رہے ہیں۔ ان کی گوناگوں مصروفیات کا تذکرہ ہر خاص و عام باعث فخر سمجھتا ہے۔

(۲) ریاست فضل عمر ہوسٹل

تعلیم الاسلام کالج کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاست تعلیم الاسلام کالج خاص کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ اور اس ریاست کی مشرقی سرحد تعلیم الاسلام کالج کو سائنسدانوں کے ملک سے علیحدہ کرتی ہے۔ یہ وہ ریاست ہے جس کا چرچا ساری دنیا میں بڑی شدومد کے ساتھ ہو رہا ہے۔ یہاں ہر سال دنیا کے مختلف ممالک اور خطوں سے بے شمار لوگ آتے ہیں اور اس ریاست کو بہترین جائے رہائش پاکر اسی میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں شاید ہی ایک مشرقی ریاست ہے جہاں مشرق بعید سے مغرب تک لے ملتا نظر آتا ہے۔ اس ریاست کا والی ایک بہت ہی علم دوست اور متدین شخصیت ہے جو اپنی رعایا کا سچا ہمدرد، خیر خواہ اور غمگسار ہے۔ اس کے دربار میں ہر کس و ناکس، غریب اور امیر، چھوٹے اور بڑے کو مساوی حقوق حاصل ہیں اور ہر ایک عدل و انصاف کا امیدوار ہو سکتا ہے۔

والی ریاست کی دلی خواہش ہے کہ ریاست میں ہر طرح سے امن و خوشحالی کو ترقی دی جائے لہذا رعایا کی بہتری اور بہبودی کے لئے ہر ممکن و نا ممکن سعی ان کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی ہے اور اس کے لئے وہ گاہے گاہے ملک کے صدر سے بھی مشورہ طلب کرتے ہیں۔

اس ریاست کے باشندے بڑے ذہین، محنتی اور توانا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پڑوسیوں کی ہر طرح سے مدد کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ بڑے مہمان نواز، خوش طبع اور با اخلاق ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم الاسلام کالج خاص کے صوبوں میں بھی انہی لوگوں کو زیادہ عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ملک کے ہر شعبہ میں اسی ریاست کے باشندے پیش پیش ہوتے ہیں۔

(۳) سطح مرتفع کوٹھی

یہ مختصر سا علاقہ ہے۔ مگر اپنی خوبصورتی اور دیدہ زیبی کی وجہ سے سوئٹزرلینڈ کو بھی مات کرتا ہے۔ اس علاقہ میں اس ملک کا صدر رہائش پذیر ہے۔ اس کے ساتھ ہی باہر سے آنے والے لوگوں کی مہمان نوازی اور رہائش کے لئے آرامگاہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ علاوہ ازیں اس علاقہ میں والی ریاست کی رہائش گاہ بھی ہے۔

آب و ہوا

سچ تو یہ ہے کہ جس ملک کے لوگ زیادہ ترقی یافتہ ہوں اور زیادہ ذہین و عقل مند ہوں اس کی اصلی اور سب سے بڑی وجہ وہاں کی آب و ہوا ہوتی ہے۔ مگر یہاں کی آب و ہوا کے متعلق تو دنیا کے مختلف گوشوں سے بڑے بڑے ماہرین چیخ اٹھے ہیں کہ اس ملک کی آب و ہوا سب ملکوں سے اچھی ہے۔ اور پھر اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جو بیمار دوسرے ملکوں میں ٹھیک نہیں ہوتے وہ یہاں آتے ہی تندرست ہو جاتے ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ یہاں کے ڈاکٹر بھی اپنے فن کے ماہر اور بڑی تشخیص کے مالک ہیں اور یہ بھی

کسی حد تک یہاں کی آب و ہوا کا ہی اثر ہے اس ملک کی کھلی اور صحت مند فضا سے ہر باشندہ پورا پورا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اب دوسرے ملکوں کے لوگ کثرت سے اس ملک کی سیر و سیاحت کے لئے آنے لگ گئے ہیں۔ اور جب وہ اپنے ملک واپس جاتے ہیں تو سب سے زیادہ اس ملک کی آب و ہوا کو سراہتے ہیں۔

آب و ہوا کے موزوں ترین ہونے کی وجہ سے یہاں کے باشندے اپنے کام کاج سے اکتاتے نہیں اور نہ ہی انہیں آوارگی ایسی قباحتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے بلکہ ہمیشہ طبیعتوں میں سکون رہتا ہے اور محنت سے کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔

پیداوار

اس ملک میں صرف ایک ہی چیز پیدا ہوتی ہے اور بڑی بہتات سے ہوتی ہے۔ اس پیداوار کا نام اصطلاحی زبان میں طلباء ہے۔ اور یہی پیداوار ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں دساور کو بھیجی جاتی ہے۔

یوں تو اس ملک کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کے طلباء پیدا ہوتے ہیں اور ہر قسم دوسری قسم سے سینکڑوں میل کے فاصلہ پر ہوتی ہے مگر مشہور ترین اور اہم ترین دو ہی قسمیں ہیں۔

(۱) **شتابی** :- اس قسم کے طلباء بڑے جلد باز ہوتے ہیں۔ یہ فصل جلدی جلدی تمام منزلیں طے کر کے پک کر تیار ہو جاتی ہے اور ملک کے مفاد یا دساور کو برآمد کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی فصل کے لئے زمین زرخیز ہونی چاہیئے اور پانی کی بہتات ہونی چاہیئے۔ یہ قسم دوسرے ملکوں میں بڑی مقبول ہے۔ اور دوسرے ممالک کی منڈیوں میں ہاتھوں ہاتھ اُٹھ جاتی ہے۔

(۲) **فیض یابی** :- گو یہ قسم شتابی کی نسبت کم ہوتی ہے مگر ہوتی یہی قابل قدر ہے۔ انہیں اصل میں اس ملک سے کوئی دلی محبت ہو جاتی ہے۔ اور یا پھر یوں کہیئے کہ یہ نمک حرام بننے کی بجائے نمک حلال بننا زیادہ پسند کرتے ہیں اور اس ملک کی ہر طرح کی خصوصیتوں سے فیض یاب ہونا چاہتے ہیں۔ لہذا ع زمیں جنبد نہ جنبد گل محمد کے مصداق بڑے آرام سے زمین کے ہر چکر کے بعد وہیں کے وہیں رہتے ہیں۔

مگر جب بھولے سے اس قسم کی فصل تیار ہو جاتی ہے تو دساور میں کیا اپنے ملک میں ہی اس کے کئی مداح مل جاتے ہیں۔

قابل دید مقامات

یوں تو تقریباً ہر جگہ اور ہر مقام ہی قابل دید ہے مگر ٹک شاپ نامی مقام ہر آنے جانے والے کی توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی جگہ نہیں۔ بلکہ دودھ، دہی، بسکٹ، انڈے، صابن، تیل، برش، کاپیاں، کاغذ، مٹھائی کا سامان رکھ کر ہزاروں ایسی قابل توجہ قدیم اشیاء کو جمع کیا جاتا ہے

تو اس کا نام ٹک شاپ سمجھئے۔ یہاں ہر وقت زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ کوئی آتا ہے کوئی جاتا ہے۔ غرضیکہ عجب گہما گہمی رہتی ہے۔ چونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں ہمارے آباؤ اجداد ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ اسلئے حکومت کی طرف سے تمام زائرین کو ہدایت ہے کہ وہ بغیر سکے کے اس مقام کی زیارت کے لئے نہیں جا سکتے۔

ٹک شاپ کے علاوہ ریاست فضل عمر ہوسٹل میں بھی ایک قابل دید مقام ہے جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں، اور یہ غسلخانے نامی مقام ہے۔ یہاں ریاست کے باشندے کثرت سے آتے جاتے رہتے ہیں اور خصوصاً صبح کے وقت تو یہ مقام عجیب دلکش منظر پیش کرتا ہے۔

شخصیات

اس ملک کی سب سے مشہور شخصیت بابا شادی ہے جس نے اپنی ایمانداری، فرض شناسی اور طبیعت کی سادگی کی وجہ سے ملک کے ہر باشندہ کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ گو بعض کوتاہ نظر اس کی اتنی عزت نہیں کرتے جتنی کرنی چاہیئے۔ مگر جب یہ بابا شادی نہ ہوگا یا وہ کسی اور ملک میں جائینگے تو ضرور اس بزرگ ہستی کو یاد کیا کریں گے۔

ڈیفنس

عام ملکوں کی طرح اس ملک کی بھی ایک طاقتور اور جنگجو فوج ہے۔ یہ فوج کم و بیش دس بٹالینوں پر مشتمل ہے۔ ہر بٹالین ہر جمعرات کو اپنی پالیسی اور کارکردگی پر غور و خوض کرتی ہے۔ اس کے بعد مجموعی فوج کا ریہرسل بھی ہوتا ہے۔ بٹالینیں ہر لحاظ سے قابل قدر نوجوانوں پر مشتمل ہیں۔ ہر بٹالین کے بڑے افسر کو ٹیوٹر کہتے ہیں اور ساری فوج کے سب سے بڑے افسر ڈی۔ ان۔ سی (بروزن سی۔ ان۔ سی) ہیں جو ہر لحاظ سے ایک باصحت اور کار آزمودہ جرنیل ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

پیشتر اس کے کہ تعلیم الاسلام کالج جیسے مشہور ملک کے کے جغرافیے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ایسی غلط فہمیوں کا وجود ملک و ملت کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ تو ہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل تعلیم الاسلام کالج ایک خانہ بدوش قوم ہے جو کبھی یہاں اور کبھی وہاں ——— بالکل عرب خانہ بدوشوں کی طرح۔ تو اسکے جواب میں سب سے پہلے تو میں ایسے کم عقلوں کی سمجھ پر چند خون کے آنسو بہانا چاہتا ہوں اور اسکے بعد انہیں باواز بلند بتا دینا چاہتا ہوں کہ اے احمقو! یہ قوم خانہ بدوش نہیں بلکہ ہجرت پسند ہے اور اپنے نبی کریمؐ کی اتباع میں ہجرت کرنے کو بھی کار ثواب سمجھتی ہے۔ بلکہ تمہیں تو اس قوم پر فخر کرنا چاہیئے جو اتنی بہادر، دلیر اور محنتی ہے کہ باوجود کئی بار ہجرت کرنے کے جہاں بھی یہ جاتی ہے اسی جگہ اپنے قدیم مبارک نام پہ ایک نیا ملک بنا لیتی ہے۔ اور پست ہمت ہیں وہ لوگ جو کسی کے بسائے ہوئے ملک میں آ بستے ہیں۔ یہ قوم تو جہاں بھی جائیگی اپنے ملک کی شان و عظمت کو برقرار رکھے گی۔

حرف آخر

جغرافیہ پڑھیں، بار بار پڑھیں اور خداداد عقل کی بدولت اسے سمجھنے کی کوشش کریں! ✦

پگڈنڈیاں

"اے لیا آرزو....."

سیکنڈ ایئر کلاس ہو رہی تھی۔ ایک صاحب کمرے میں آئے اور اجازت لے کر سب سے پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ ــــــ چال ڈھال سے ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ کوئی سال اوّل کے طالب علم ہیں اور غلطی سے اس کلاس میں آ گئے ہیں لیکن تاہم ہم خوش رہے۔ کلاس ختم ہونے تک ہم پروگرام بناتے رہے کہ کلاس کے بعد ان کا کس طرح مذاق اڑایا جائے۔ کلاس ختم ہوئی، پروفیسر صاحب بجائے باہر جانے کے ان کی طرف بڑھے اور بڑی گرمجوشی سے ملنے کے بعد گھل مل کر باتیں کرنے لگے۔ ہم سب اس عجیب واقعہ پر حیران تھے لیکن پروفیسر صاحب ان کا بازو پکڑے باہر تشریف لائے اور فرمانے لگے "یہ ہیں مسٹر..... بیالوجی کے نئے پروفیسر" اور ہم سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

(پرویز پروانکا)

جدّت

برٹش انفارمیشن سروس کی طرف سے ایک تعلیمی فلم دکھائی جا رہی تھی۔ ہمارے سامنے تین آدمی کھڑے تھے۔ وہ عجیب عجیب حرکتیں کر رہے تھے۔ کبھی اچانک قہقہے لگانے لگتے۔ اور کبھی یکدم سنجیدہ ہو جاتے۔ کبھی ادھر ٹہلتے کبھی ادھر۔ غرض ہم سب کو ان کی ان حرکات پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ وقفہ میں جب روشنی ہوئی تو پتہ چلا کہ وہ تینوں اندھے ہیں۔

(پرویز ریاض سال اوّل)

ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب ہیں۔ ماشاءاللہ اپنی مثال آپ۔ گول عینک اور گول ہی ٹوپی ان کے امتیازی نشانات ہیں۔ ایک دن ایک مباحثہ ہو رہا تھا۔ موضوع زیر بحث تھا "اس دنیا میں ضرورت سے زیادہ انسان ہیں" مولانا قائد ایوان تھے۔ فرمانے لگے "آج کل انسان دو ٹانگوں اور دو ہاتھوں والے اس جانور کو کہتے ہیں جس کو بدقسمتی سے تھوڑی سی عقل بھی دی گئی ہے" ــــــ قائد اختلاف پرویز صاحب تھے۔ آپ نے آتے

کہا "مولانا نے ابھی ابھی ایک جانور کا ذکر کیا ہے لیکن اس میں عینک اور ٹوپی کا ذکر کرنا بھول گئے ہیں"——
اس پر محفل کشتِ زعفران بن گئی۔ (طاہر مجتبیٰ)

"بدحواسی"

انگریزی کا پیریڈ تھا۔ اور ہم بڑے انہماک سے لیکچر کو سن رہے تھے تو فوراً پروفیسر صاحب نے مجھے باہر جانے کو کہا۔ میں یکایک اُٹھا اور دروازے سے باہر نکلا۔ دروازہ پر کسی کو منتظر پایا۔ میں نے بوکھلاہٹ میں کہا "? What is the matter" جواب ملا "I am a boy" ——
تو اس بجا ہوئے تو پتہ چلا کہ وہ میرا چھوٹا بھائی تھا جو پانچویں جماعت کا طالب علم ہے۔

(ایاز محمود اسعد خاں)

مستقبل ——!

چند دنوں کی بات ہے کہ میں گجرات سے سرگودھا آرہا تھا۔ ملکوال کے سٹیشن پر گاڑی رکی —— دو طالب علم کمرہ میں داخل ہوئے۔ اور میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ دونوں سرگودھا گورنمنٹ کالج کے طالب علم ہیں —— چند منٹوں تک ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے رہے پھر یکایک ایک نے دوسرے کو کہا کہ "کہو یار پڑھائی کا کیا حال ہے اور آئندہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے؟" دوسرے نے جواب دیا "دیکھئے —— ! ایف۔ ایس۔ سی کے فوراً بعد انجنیئرنگ کالج میں داخلہ لینے کا خیال ہے۔ اور پھر کہیں ایس۔ ڈی۔ او لگ جاؤں گا اور کیا" —— ! پہلے نے پھر جواب دیا "یار ——! میں تو کالج میں پڑھائی نہیں کر سکتا۔ بس اگلے سال اوورسیر کلاس میں داخلہ لے لوں گا" ابھی وہ بات پوری بھی نہیں کر چکا تھا کہ دوسرا فوراً چونک اُٹھا اور بغیر کسی تکلف کے اس نے کہا "ارے بھئی —— اوورسیر بنو گے —— تو پھر جب سردیوں میں آجاؤ تو میرے لئے مرغ اور انڈے ضرور بھیجا کرنا۔ ابھی سے اچھی طرح سن لو —— بعد میں نہ کہنا کہ کسی نے بتلایا نہیں ——" اس پر آس پاس کے لوگ ہنسنے لگے۔ اور مجھے یہ خیال آیا کہ دیکھو —— ! ابھی سے قوم کے فرزندوں کا یہ حال ہے تو پھر بڑے ہو کر یہ کیا نہیں کریں گے؟

منحوس ہندسہ ——!

ابھی ابھی جون کی بات ہے کہ ایک دن چند ایک میرے دوست میرے پاس آئے ہوئے تھے اور خوب محفل گرم تھی۔ ہر ایک کوئی نہ کوئی اپنی بات سناتا اور پھر اس پر تبصرہ شروع ہو جاتا۔ اسی سلسلہ میں مبارک اور منحوس ہندسوں پر بات آگئی۔ ان میں سے ایک صاحب نے ایم۔ اے نفسیات کا امتحان دیا ہوا تھا جن کا رول نمبر بھی اتفاق سے "۱۳" (تیرہ) ہی تھا اور پھر وہ علم نفسیات سے تعلق بھی رکھتے تھے۔ تو وہ فوراً چلا اُٹھے کہ یہ تو بس یونہی لوگوں کا خیال ہوتا ہے۔ چھوڑیں ان فضول باتوں کو۔ کوئی کام کی بات کریں" خیر ایک صاحب بول اُٹھے اور کہنے لگے "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ آپ کا رول نمبر بھی ماشاء اللہ ۱۳ ہے۔ دیکھ لیتے ہیں آپ کیا کرتے ہیں" بات

آ ہی گئی ہوگی۔ لیکن جب ان کا نتیجہ نکلا تو وہی شخص جن کو اپنے پرچوں پر مان تھا کہ اور کچھ نہیں تو فرسٹ ڈویژن تو ضرور آجائے گی۔ روتے دھوتے میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ "یار ـــــ پائے تو وہ نمبر ۱۳ لے کے بیٹھ گیا ہے اور میں بہت بری طرح فیل ہوا ہوں" ـــــ میں آج تک یہ سوچا کرتا ہوں۔ کہ کیا واقعی تیرہ کا ہندسہ منحوس ہے؟ ـــــ

؟

ابھی تھوڑے عرصہ کی بات ہے جب سارے تقریباً پاکستان میں ہر ضلع، ہر تحصیل اور ہر جگہ چند ایک شرارتی فرد مل کر احمدیت کے خلاف ایک سکیم چلائی جس کو کامیاب کرنے کے لئے وہ جلسے اور جلوس وغیرہ نکالتے۔ اس ہی سلسلہ میں سرگودھا بھی سب کے ساتھ تھا۔ وہاں کے بڑے بڑے علماء جلوس وغیرہ نکالتے۔ انہی دنوں ایک دن میں بازار گیا تو ایک چوک پر پہنچ کر رکنا پڑا۔ چوک میں ایک بہت بڑا ہجوم تھا۔ اور زندہ باد ـــــ مردہ باد ـــــ کے نعرے لگ رہے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب جن کے بال بکھرے ہوئے تھے اور بہت گھبرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے جلوس میں داخل ہوگئے اور ان کی تیار کردہ سٹیج پر پہنچے ـــــ اور بلند آواز دی ـــــ "غلام علی" اور جلدی ہی ساتھ ہاتھ سے اشارہ کیا ـــــ اس کا اتنا کہنا تھا کہ ہجوم نے زور سے کہا "زندہ باد" ـــــ دراصل اس نے اپنے ایک دوست کو بلایا تھا ـــــ یہ ماجرا دیکھ کر مجھے اپنی نعرہ باز قوم کی ذہنیت پر ہنسی بھی آئی اور رونا بھی لیکن میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا کہ ہنسنا ضروری تھا یا رونا؟　　(ذکریا احمد معظم)

"دونِ مُلّا"

ایک گاؤں کی دو پارٹیوں میں سے ایک کا لیڈر "پیرا" تھا اور دوسری کا حمیدا۔ "پیرا" پارٹی کے لوگوں نے اپنے لیڈر سے شکایت کی کہ گاؤں کے امام مسجد نماز میں "حمید" کا نام لیتے ہیں (اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ) اس وجہ سے گاؤں میں اس پارٹی کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے اور اس کا تدارک لازمی ہے۔ "پیرے" نے مولوی صاحب کو بلایا اور لال لال آنکھیں نکال کر کہنے لگا "مولوی صاحب! کیا تم واقعی نماز میں "حمیدے" کا نام لیتے ہو؟" مولوی صاحب نے پگڑی کو درست کرتے ہوئے فرمایا "جی ہاں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حمیدے نے مجھے تین سو روپیہ دیا ہے"۔ پیرے نے چار سو روپے جیب سے نکالے اور مولوی صاحب سے کہنے لگا "یہ لو روپے اور آج سے ہمارا نام بھی نماز میں لیا جائے"۔ مولوی صاحب نے کوٹ کی جیب اس کے آگے کر دی۔ جونہی پیرے نے روپے مولوی صاحب کی جیب میں ڈالے۔ مولوی صاحب جزاک اللہ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔

مغرب کے وقت مسجد میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی اور پیرا پارٹی کے لوگ نماز میں اپنے لیڈر کا نام سننے کے لئے بیتاب و بے قرار تھے۔ خدا خدا کر کے مولوی صاحب آئے اور نماز شروع ہوئی۔ مولوی صاحب

نے الحمد شریف کی تلاوت کے بعد یوں گوہر افشانی شروع کی۔ یَا اَیُّھَا الپیراً o اِنَّکَ اَنْتَ الحمیراً o اِنَّ اَبُوْکَ خنزیراً o وَاِنَّ جَدُّکَ کلباً کبیراً o

جب مولوی صاحب یہاں تک فرما چکے تو ایک مقتدی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ مولوی صاحب کو غلطی لگی ہے (کیونکہ اس کے خیال کے مطابق قرأت تو صحیح تھی لیکن اِس قسم کی کوئی سورۃ اس نے نہیں سنی تھی) کھانسنا شروع کیا۔ مولوی صاحب نے اس کے بعد یوں پڑھنا شروع کر دیا۔ یَا اَیُّھَا المُتَنَحنِحُ لَا تَنَحْنَحْ o اِنَّا اَخَذْنَا دَرَاھِمًا کَثِیرًا o نِصْفُ لِیْ وَنِصْفُ لَکَ o ھٰذَا قَوْمٌ جَھِلُوْنَ o (اَللّٰہُ اَکْبَر)

(شاہ محمد فیضی)

سِتارے!

الیاس احمد شاہین

شہزادیٔ شب کے لئے زینت ہیں ستارے
افلاکِ ستم پیشہ کی دولت ہیں ستارے

کثرت میں بھی آئینۂ وحدت ہیں ستارے
رہرو کے لئے شمعِ ہدایت ہیں ستارے

عظمت کسی مہجور سے پوچھے کوئی ان کی
غمخوار و شریکِ شبِ فرقت ہیں ستارے

یہ شوقِ نظارا کہ جھپکتی نہیں آنکھیں
کس شوخ کے مشتاقِ زیارت ہیں ستارے؟

ہنستے ہیں مرے صبر اور اُن کے جبر پہ
دونوں کے لئے فکر کی دعوت ہیں ستارے

شاہین بہل جاتی ہے آزردہ طبیعت
میرے دلِ غم دیدہ کی راحت ہیں ستارے

حس - منہاس

مزاح نویس

دُنیا میں عجیب وغریب مخلوقات خدا نے پیدا کی ہیں۔ منجملہ ان عجائب و غرائب کے ایک "مزاح نویس" بھی ہیں۔ بات کا بتنگڑ بنانا اور الفاظ کو الٹا سیدھا استعمال کر کے نئے نئے نکات پیدا کرنا ان کے خصائص میں سے ہے۔ اگر آپ کو کسی اخبار کے دفتر میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آپ کو کونے میں دبک کر اکڑوں بیٹھا ہوا کوئی شخص دھوئیں کے مرغولے اُڑاتا اور عجیب وغریب حرکتیں کرتا دکھائی دے تو سمجھ لیجئے کہ وہ اس اخبار کا "فکاہیہ" لکھنے والی ہستی ہے۔

خدا بچائے ان کی دست درازیوں سے ——— کسی کی "پگڑی"، "جناح کیپ" یا "قراقلی" اچھالنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے ادیب حضرات بھی ہیں جو مزاح نویس ہیں۔ ان کی تحریرات پڑھنے سے معاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ہو نہ ہو یہ شخص بڑا ہنس مکھ قسم کا ہو گا۔ لیکن جب بھی ان سے ملئے تو تیوری چڑھی ہوئی ہو گی اور یوں معلوم ہو گا کہ بس کھا ہی تو جائیں گے لیکن نکتے وہ وہ پیدا کرتے ہیں کہ الامان! مثلاً حضرت "مجید لاہوری" ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اُن کے نرغے میں آ جائے اس کا "ٹین پٹاس" ہو جاتا ہے۔ لیکن جب انہیں دیکھئے تو نرے "ڈھول کے پول" اور ننگ یوں کہ گویا تاریک رات سے شرط لگائے ہوئے ہیں ——— راقم الحروف نے ان کی ایک طویل نظم "حکمراں اِس مُلک کا ہو مولوی گلشیر خاں" پڑھی تھی۔ وہ ابھی تک دل پہ نقش ہے، ملاحظہ ہو :-

حکمراں اِس ملک کا ہو مولوی گلشیر خاں
ایک دن میں ہوں فنا فی اللہ ساری مرغیاں
سیدھا بندہ، روڈ پر ہوں دودھ کی نہریں رواں
"پیر منگھا" پر بنے حلوے کا اِک کوہِ گراں
جس میں کچھ پیدا نہ ہوں ڈیفنس روزی کے نشاں
حکمراں اس ملک کا ہو مولوی گلشیر خاں

ایک بار راقم الحروف کو "ملت" کے دفتر میں جانے کا اتفاق ہوا تو ایک صاحب بوٹوں سمیت میز پر براجمان پائے جو ہمہ تن کچھ لکھنے میں مصروف تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ "افکار و حوادث" والے "کاروان باشی" ہیں ——— میں قطعاً اس بات کا یقین نہ کر سکا لیکن بعد میں مجبوراً اس بات کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ "کاروان باشی" جس نے "قبادن" کے بخیئے اُدھیڑ کر رکھ دیئے ہیں یہی "ہستی" ہے۔

فکاہی دُنیا میں مولانا سندباد جہازی کا نام سر فہرست ہے۔ انہوں نے اُردو ادب کو مزاح کی چاشنی سے ایک نئے رنگ میں چلا بخشی۔ جس کے لئے اُردو زبان اُن کے اِس احسان کی منت کش رہے گی۔ مجھے اِس وقت اُن کا صرف یہ ٹکڑا یاد آ رہا ہے کہ :-

. . . . . "بلی کی "میاؤں" دراصل "می آؤں" کا مرکب ہے۔ یہاں پر ایک اور بات قابل

ذکر ہے کہ تیتر کی بولی میں بھی اسی طرح اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں وہ کہتا ہے "سبحان تیری قدرت" لیکن یہ خیال صرف "اللہ والوں" کا ہے۔ چند پہلوان قسم کے لوگ بیان کرتے ہیں کہ تیتر "کھا گھی کر کسرت" کہتا ہے۔ اور بعض دل جلوں کا یہ خیال ہے کہ وہ صرف "چراغ حسن حسرت" ہی کہتا ہے۔۔۔۔۔۔"

ابھی مجھے "حاجی لق لق" یاد آ گئے۔ لیکن انکا لقب "معتقد الملت" ہی سب باتوں پہ حاوی ہے ــــــ کیا "پاٹ دار" نام ہے "معتقد الملت حاجی لق لق" ــــــ یہ محض فکاہات کا پہاڑ چھونکنے کی خاطر پتہ نہیں "کس قسم حسین شاہ بخاری؟" چھوڑ کر محض حاجی لق لق پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ میر کا یہ شعر بتصرف ادنیٰ شاید ان کے لئے ہی کہا گیا تھا کہ ؎

لکھتے ہیں ہم مزاح کوئی پوچھتا نہیں
اس نوکری میں عزت سادات بھی گئی

شوکت تھانوی ہیں۔ اجی حضرت ان کی بات نہ کیجئے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک افسانہ لکھا تھا "سانچ کو آنچ" اس میں لکھتے ہیں :-

"دوسری طرف سب سے بھونڈی صورت والی لڑکی اور ایک اور لڑکی تھی جو اللہ میاں کی نہیں بلکہ عبدالرحمٰن چغتائی کی بنائی معلوم ہوتی تھی۔"

اب بے چارہ چغتائی سر پیٹ کر رہ گیا ہوگا۔ چغتائی کو پاکستان کا سب سے بڑا آرٹسٹ مانا جاتا ہے۔ لیکن شوکت نے اس کی ساری "فنکاری" کا "بولو رام رام" کر دیا ہے۔

ایک بار شوکت تھانوی نے ایک افسانہ لکھا ــــ "بخیال خویش خبطے"۔ اس میں ایک مولوی صاحب کا کردار ہے جو "قومی روایات" کے بڑی سختی سے پابند ہیں۔ اور ایک دن وہ جناح کیپ پہنے باہر نکلتے ہیں۔ شوکت صاحب نے ان کا حلیہ لکھا ہے کہ :-

"مولوی صاحب کی ٹوپی کوزی اور خود مولوی صاحب اس حد تک کیتلی معلوم ہوتے تھے گویا ذرا سر جھکایا تو ناک سے بھاپ نکلتا ہوا چائے کا پانی نکلنے لگیگا۔"

لیجئے مجھے شوکت کی ایک اور تحریر یاد آ گئی۔ دراصل یہ مضمون تو محض "مضمون" لکھنے کی خاطر لکھ رہا ہوں۔ ورنہ یہ اس قدر وسیع مضمون ہے کہ اگر صرف شوکت صاحب کے مزاح کے متعلق ہی لکھا جائے تو مجھے لکھنے کے لئے اور آپ کو پڑھنے کے لئے ساری عمر درکار ہے۔ میں یہاں صرف ان تحریروں کے حوالے دے رہا ہوں جو مجھے زبانی یاد رہ گئی ہیں۔ لکھتے ہیں :-

"یہ ہیں بیگم نفیس کے میاں نفیس میاں۔ ان کا زیادہ سے زیادہ تعارف اس طرح کروایا جا سکتا ہے کہ یہ ہیں نفیس میاں یعنی بیگم نفیس کے میاں۔"

یہ ایک "زن مرید" خاوند کا تعارف ہے جسکو شہرت محض اس کی بیوی کی وجہ سے ملی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ایک دل جلے اخبار نے مسٹر محمد علی سابق وزیر اعظم کے متعلق لکھا تھا :-

"مسٹر محمد علی یعنی بیگم عالیہ سعدی کے خاوند"

میرے ذہن کے افق پر کرنل شفیق الرحمان ابھر رہے ہیں۔ فوجی کرنل اور مزاح نویس ــــــ دن کو "خاک و خون" میں لتھڑے سپاہیوں کا علاج اور رات کو مزاح کی تخلیق بڑے دل گردے کا کام ہے ــــــ اپنے ایک دوست کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"آپ کے چہرہ پر ہر وقت وہ اظہار
رہتا ہے جو بیرنگ لفافے پر ہوتا ہے"
وہ دوست بھی کیا یاد کریگا۔ کہ کسی نے تعارف کروایا تھا۔

ایک اور مزاح نویس کا نام میری لوحِ دماغ پہ اُبھر رہا ہے۔ لیجئے! وہ ہیں سید ضمیر جعفری صاحب۔ ہمیشہ "بین السطور" قسم کا مزاح لکھتے ہیں اور پھر گالیاں لوگوں کو دیتے ہیں کہ ؎

آجکل منیر رسول پہ بھی
لوگ "بین السطور" رہتے ہیں

آپنے ایک بار ایک نظم لکھی تھی کہ ؎

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے
تو ہڑتالیں کرا دیتی ہے اپنے کا دفاتر میں

عقابی روح کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔
اور ہے بھی یہ ٹھیک ـــــ یہ بھی فوج میں کیپٹن ہیں لیکن مزاح کمال ہے۔ ورنہ یہ جو ڈسی چیز معلوم ہوتی ہے، یہ ان کی ہی ہمت ہے ـــــ

اخباری "مزاح" میں حضرتِ سالک بہرحال سالک زادہ ہیں۔ انہوں نے صحافت کے ابتدائی دور میں جس مزاح سے صحافت کو مزین کیا وہ ناقابلِ فراموش رہیگا۔

مضمون شروع مزاح نویسوں سے ہو کر بزرگوں کے تذکروں تک پہنچ چکا ہے۔ اسلئے اسے یہیں چھوڑتا ہوں +

● ـــــ "اس طرح کبھی موٹر نہ چلاؤ گویا تم سڑک کے مالک ہو۔ اس طرح چلاؤ گویا تم صرف کار کے مالک ہو"

شاہ محمد فیضی

"اپیل"

اکثر و بیشتر میری قوتِ ناظرہ نے دیکھا اور میرے کانوں نے لڑکوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جو بھی کوئی اطلاع کالج کی طرف سے نوٹس بورڈ پر چسپاں کی جاتی ہے۔ بعض شوخ طبیعت لڑکے بزعمِ خود چالاکی دکھانے کے لئے اس کو پُرزے پُرزے کرکے پھینک دیتے ہیں۔ یا جیب میں ڈال کر گھر لے جاتے ہیں۔ کیا میں اپنے بھائیوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ آیا اس قسم کی حرکت کے مرتکب ہونے والے کسی اخلاقی کمزوری کے حامل تو نہیں ہیں؟ اور اے میرے عزیز بھائیو! اس زندگی کا بہتر ہونا تمہاری آئندہ زندگی کے بہتر ہونے کا ضامن ہے۔ اس لئے ایسی حرکتیں بہت نازیبا ہیں اور ٹی۔آئی کالج کی روایات ان کی اجازت نہیں دیتیں ـــــ!

★ ـــــ "عورت مرد کے سر سے نہیں بنائی گئی کہ اس پر حکومت کرے۔ نہ ہی اس کے پاؤں سے بنائی گئی ہے کہ مسل دی جائے۔ بلکہ پسلی سے بنائی گئی ہے تاکہ اسکے دوش بدوش چلے۔ اس کے بازو کے نیچے سے بنائی گئی ہے تاکہ اسکی حفاظت کی جائے۔ اور اس کے دل کے قریبی حصہ سے بنائی گئی ہے تاکہ اس سے محبت کی جائے"

(گورڈن ہائیم)

طاہر سلیم بھٹی

نوائے سحر گاہی

پیر کے پیر مجھے گھر سے اُمّی کا خط آیا کرتا تھا۔ مگر اب کے پیر چپکے سے گزر گیا۔ منگل کے دن صبح صبح ہی ہوسٹل کے چوکیدار سے ملا۔ "زمانے! بھئی دیکھنا! آج میرا خط ضرور آئے گا۔ جونہی ڈاک آئے ذرا ڈاک کو اچھی طرح دیکھنا اور میرا خط میرے کمرے میں پہنچا دینا ——"

"بہت بہتر حضور" زمان نے جلدی سے چلتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں بھئی! ذرا سنو تو —— دیکھو، اگر میں کمرے میں نہ ہوؤں تو ..... تو میرا خط مجھے کالج میں پہنچا دینا ——" میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ گویا مجھ سے دن گزارا نہیں جائے گا —— وہ رہ رہ کے گھر کا خیال مجھے تنگ کر رہا تھا۔ خیر حوائجِ ضروریہ سے فارغ ہو کر چار و ناچار کالج گیا ..... ابھی پیریڈ شروع نہیں ہوا تھا اسلئے طبیعت کو کسی اور طرف لگانے کے لئے لائبریری میں جا کر اخبارات اور رسائل کی ورق گردانی شروع کر دی .....

کوئی چند منٹ گزرے تھے کہ شمیم نے آواز دی —— "ارے محمود ..... پیریڈ لگ گیا ہے" اور —— میں اُٹھ کر کلاس روم کی طرف چل دیا ——

کلاس میں تقریباً تمام ہی دوست موجود تھے —— مگر مولانا اسلم صاحب آج ..... خیر متوقع طور پر غائب تھے —— ان سے تقریباً ہر ایک لڑکا ہی مذاق کیا کرتا تھا۔ اسلئے اُن طبیعتیں بھی بہلنے پر مجبور ہو جاتی تھیں ..... مگر آج ..... نہ جانے کہاں رہ گئے ——

"وہ تو سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں شاذ ہی کہیں غیر حاضر ہوتے ہیں" میں نے غیر ارادی اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شمیم سے استفسارانہ رنگ میں کہا۔

اور وہ ابھی کچھ جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ پروفیسر صاحب کلاس روم میں داخل ہوئے ——

خیر پیریڈ بڑی مشکل سے گزرا —— اور پیریڈ ختم ہوتے ہی میں نے مولانا اسلم کے کمرے کا رُخ کیا .... خیال تھا کہیں اِدھر اُدھر ہی ہوں گے۔ ذرا ایک دو مذاق کریں گے ..... اُسے اور ..... طبیعت کی افسردگی دُور ہو جائے گی —— مگر —— اُن کے کمرے میں داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ جناب آج ابھی تک بستر پہ دراز ہیں۔

"اجی حضرت! کیا شغل فرما رہے ہیں —— آج کیا رات کو زیادہ دیر تک پڑھتے رہے تھے؟ —— مگر مولانا! کچھ فائدہ نہیں ہوگا —— اِن سوکھی پڑھائیوں کا۔ کبھی جلدی بھی سو کر دیکھا کریں —— کتنا لطف آتا ہے ——" میں نے طنزاً کہا۔

"ہاں بھئی محمود! تم ٹھیک کہتے ہو ..... سوکھی پڑھائی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ——" اسلم نے بے رُخی سے کہا۔

"الحمد للہ ..... کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ آخر آج کس طرح مان گئے ہو میری جان ——؟"

"محمود بھائی! خدا کے لئے آج مذاق نہ کرو ..... آج میں بہت اُداس ہوں۔ خدا کے لئے مجھے زیادہ پریشان نہ کرو ..... تمہیں نہیں معلوم —— میری والدہ بڑی ....

..... سخت بیمار ہیں ——— دیکھو نا! ——— میری والدہ بیمار ہیں ——— میری والدہ ——— میں سوچ رہا ہوں میری پڑھائی کیا فائدہ دے گی؟ ———" اور اسلم کی آواز بھرا گئی "محمود! کل ہی ابھی خط آیا ہے کہ ان کی حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے ———" اور اسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور اس نے منہ سرہانے کے نیچے چھپا لیا۔

اسے دیکھ کر میری طبیعت اور بھی خراب ہو گئی۔ پریشانی زیادہ ہو گئی۔ اچانک خیال آیا "پچھلی سوموار کو جو خط گاؤں سے آیا تھا اس میں چھوٹے بھائی نے امی کے بیمار ہونے کا ذکر کیا تھا ——— اور ہاں گردے کا درد ———" بس خیال آتے ہی دماغ چکرا سا گیا۔ میرے پاؤں تلے سے زمین نکلی جا رہی تھی ——— فوراً اسلم کے پاس سے اٹھا اور اپنے کمرے میں آکر خوب رویا۔ دل چاہتا تھا کہ فوراً گاؤں روانہ ہو جاؤں ..... مگر پھر سوچتا کہ ہفتے کو دسمبر ٹیسٹ شروع ہے۔ اور ..... یہی ٹیسٹ ہے جس کے نتیجہ پر یونیورسٹی میں داخلہ بھیجے جانے کا امکان ہو سکتا ہے۔

خیر طرح طرح کے خیالات آتے رہے ..... اور میری پریشانی میں اضافہ ہوتا رہا ——— ..... پہلے پیریڈ کے علاوہ کوئی پیریڈ بھی اٹینڈ نہ کیا۔ بس سارا دن بستر پر پڑے گزار دیا۔ خیال تھا آج کی ڈاک میں انشاء اللہ ضرور خط آجائے گا ——— مگر ساڑھے گیارہ کے قریب زمان آیا اور مُسی مُسی سی صورت بنا کر بولا "محمود بابو! ساری ڈاک دیکھی ہے۔ ایک ایک خط دیکھا ہے۔ مگر آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ پتہ نہیں میری کچھ قسمت ہی ایسی ہے۔ خیال تھا آپ کا خط آپ کو دینے سے پہلے آپ سے گرم گرم چائے ....."

"بس بس چپ رہو! کمبخت، مجھے پہلے ہی امید تھی تم یہی خبر لاؤ گے ——— چلے جاؤ ..... نکل جاؤ میرے کمرے سے۔" میں جذبات کی رَو میں نہ جانے کیا کچھ کہہ گیا ——— اصل میں میرا دماغ خیالات کی وجہ سے کچھ اس طرح پھٹا جا رہا تھا کہ پاگلوں کی طرح جو منہ میں آتا کہہ جانے کو جی چاہتا۔

"مگر بابو جی ..... میرا اس میں کیا قصور ہے ——— مجھے تو خود بڑا افسوس ہے۔"

خیر میں نے اس سے اپنی مجنونانہ حرکات کو چھپانے کی ناکام کوشش میں جیب سے کچھ پیسے نکالے اور اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "ہاں! ہاں! جاؤ تم ——— تمہارا کوئی قصور نہیں ———"

سارا دن بستر پر پڑے پڑے ہی گزر گیا ..... شام ہو گئی ..... کھانے کی گھنٹی بھی ہو گئی ..... مگر طبیعت ہر چیز سے بیزار تھی ——— کئی طلباء آتے اور دروازے پر knock کرتے۔ مگر اندر سے جواب نہ ملنے پر خود ہی واپس لوٹ جاتے ..... شاید اسلم کو ملنے نہ جاتا تو اتنی تکلیف نہ ہوتی ——— مگر اب تو ایک منٹ کے لئے بھی والدہ کا خیال ذہن سے علیحدہ نہیں ہو رہا تھا۔ ..... آہستہ آہستہ رات کے گھنٹے بھی کھسکنے لگے۔ چارپائی پر پڑے رہنے کی وجہ سے کمر بھی دُکھنے لگ گئی تھی۔ ——— کئی بار خیال آیا کہ اٹھ کر لیمپ جلاؤں ..... مگر ہر بار دماغ مخالفت کرتا ——— آخر تھکا ہوا جسم دماغ پر غالب آیا اور میں اٹھا ..... سوئچ آن کیا۔ وقت دیکھا تو رات کے بارہ بج چکے تھے ——— کرسی پر بیٹھ کر ہر ایک کتاب کو باری باری اٹھانا شروع کیا ..... مگر کسی کو بھی پڑھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اٹھاتا۔ ایک آدھ منٹ کے لئے ورق گردانی کرنے کے بعد اسے رکھ دیتا ——— اور نہ جانے کتنی دیر تک ایسا ہی کرتا رہا۔ آخر دروازہ کھول باہر جو نکلا تو زیادہ کمروں کی بتیاں بجھ چکی تھیں ..... اور ہر طرف عجیب سکوت چھایا ہوا تھا۔ ہاں البتہ چاند کافی نکل آیا تھا اور اپنی اداس چاندنی تمام

فضا پر پھیلا رہا تھا۔ اچانک چاند نے دعوت دی کہ کھلے میدان میں جا کر اس سے سرگوشیاں کی جائیں۔ چنانچہ اس کا خیال آتے ہی میں کمرے میں آیا۔ ٹائم پیس ڈیڑھ بجا رہا تھا۔ بہرحال مفلر کانوں پر لپیٹ اور کمبل اوڑھ میں میدان کی طرف چل دیا۔ سوچا کہ پمپ پر جا کر فرش پر بیٹھوں گا۔ اور کچھ دیر چاندنی سے دل بہلانے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ سیدھا پمپ کو ہی چل پڑا۔ ابھی کوئی دس میں گز ہی گیا تھا کہ ہلکی ہلکی آواز خلا کو چیرتی ہوئی میرے کانوں میں پڑی۔ ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی ہولے ہولے کسی سے باتیں کر رہا ہے۔ فوراً خیال آیا۔ ضرور دیکھنا چاہیئے۔ یہ کون صاحب ہیں ——— اور کیا کر رہے ہیں ——— میں دبے پاؤں آواز کے آنے کی جگہ کی طرف چل پڑا ——— دیکھا کہ کوئی آدمی بیٹھا ہوا ہے مگر چاندنی کی وجہ سے میں اُس آدمی کو اچھی طرح سے دیکھ نہ سکا ——— چاند کبھی کبھار چھوٹی چھوٹی بدلیوں کے پیچھے چھپ جاتا ...... مگر اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ وہ اکیلا ہی ہے اور اس کے ساتھ اور کوئی نہیں۔ اس کی پیٹھ میری طرف تھی اور وہ باتوں میں بڑا مگن تھا اسلئے اُسے میری موجودگی کی خبر تک نہ ہوئی۔ میں چپکے سے اس کی باتیں سننے لگا ——— آخر یہ آدمی کیسی باتیں کر رہا ہے ——— رات کی خاموشی کی وجہ سے میں اس کی باتیں سن سکتا تھا ...... وہ کہہ رہا تھا ...... "واہ رے چنداں ماموں ...... ! تو بھی کتنا خوش قسمت ہے! کتنی اچھی تشبیہات دی جاتی ہیں تیرے اس حسین مکھڑے کے ساتھ! مائیں اپنے بچوں کو میرا چاند کہہ کر بلاتی ہیں۔ اور بچے ...... وہ بھی تجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں"

——— سہ

چندا ماموں دُور کے
ہم کو دیکھیں گھُور کے

اور کتنی سادگی ہوتی ہے ان کے ان پیارے الفاظ میں ——— جو وہ اپنی توتلی سی زبان کے ساتھ ادا کرتے ہیں! مگر کیا تو واقعی اُن کو گھور کر دیکھتا ہے ...... ؟ ...... تجھے دُنیا کا ہر فرد بشر دل و جان سے پیار کرتا ہے ——— خوبصورت سے خوبصورت چیز کے متعلق کہا جاتا ہے "چاند سی" یا "چاند سے بھی بڑھ کر" ——— اور آج میں بھی محسوس کر رہا ہوں کہ واقعی تو خوبصورت ہے۔ واقعی تیری وجہ سے ایک جہان آباد ہے ...... تو تاریک راتوں کو اپنی حسین چاندنی سے دلکش بنا دیتا ہے۔ تو ایک ایسا دیا ہے جس کی روشنی امیر کے محل سے لے کر غریب کے جھونپڑے تک بلاتفریق ہر چیز کو منور کئے جاتی ہے۔ آخر ...... اگر تو نہ ہوتا تو کتنی پھیکی پڑ جاتی زندگی ان تاریک راتوں میں ——— شاید کوئی ماں اپنے بچے سے پیار نہ کرتی اور کوئی بچہ تجھے دیکھ کر گیت نہ گاتا ——— اور شاید کوئی چیز حسین نہ ہوتی اس دُنیا میں ——— واقعی تو ایک ایسی شے ہے جس کی خوبصورتی لاثانی ہے ——— پھر کیوں نہ میں تجھی سے پیار کروں؟ پھر کیوں نہ تجھی سے میٹھی میٹھی باتیں کروں؟ ——— مگر یہ تو کیا کر رہا ہے؟ ارے! بدلیوں میں چھپ کر مجھ سے آنکھ بچانا چاہتے ہو کیا؟ اجی واہ! یہی ہے تمہاری محبت اور یہی ہے تمہارا پیار ...... دُنیا کی ہر چیز کو چھوڑ کر تجھے اچھا سمجھا۔ اپنے گرم اور نرم بستر کو چھوڑ کر اس کھلے میدان میں تیرے پاس آ بیٹھا ...... مگر تو ہے ——— کہ ادھر دیکھتے ہی جھجھکتا ہے ——— اور بدلیوں کی اوٹ لے کر مجھ سے دُور ہو جانا چاہتا ہے ——— مگر ہاں! ایک بات پوچھوں؟ ——— جواب دو گے؟ ——— کیا تمہیں ان حسین چاندنی راتوں میں نیند نہیں آتی؟ کیا تم تھکتے نہیں ——— ؟ آخر تمہیں

کیا پڑی ہے کہ ایسی ٹھنڈی رات میں سفر کرتے رہتے ہو؟ ــــــ جواب بھی دو ــــــ بولتے کیوں نہیں؟"

میں اب تک بالکل بھول ہی گیا تھا کہ میں میدان میں کھڑا ہوں۔ اتنا کھو گیا کہ خیال ہی نہ رہا کہ دسمبر کی ٹھنڈی رات ہے۔ مگر اس کے الفاظ "جواب بھی دو؟ ــــــ بولتے کیوں نہیں؟" نے مجھے دفعتاً چونکا دیا اور بے اختیار کہہ اٹھا "ہوں!" جیسے اس نے مجھی سے سوال کیا ہے اور سوال کو اچھی طرح نہ سمجھتے ہوئے میں نے "ہوں" کہہ دیا ہے۔ وہ میری ہوں سنکر ذرا ڈر سا گیا اور بولا "کون؟" اسکے "کون" کہنے کے انداز سے میں فوراً سمجھ گیا کہ وہ ہمارا کلاس فیلو زاہد ہے۔

" واہ رے استاد امام دین کے شاگرد! یہ شاعری واعری کب سے شروع کی ہے جناب نے؟" میں نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے طنزآمیز لہجے میں کہا۔

" اجی شاعری؟ میں شاعر تو بالکل نہیں ہوں جناب!" اور وہ بھی اٹھ کر میری طرف چلنے لگا۔

" اچھا تو پھر یہ کیا ہو رہا تھا؟ کچھ سوال جواب ہو رہے تھے کسی سے ــــــ ہے نا ٹھیک ــــــ "جواب بھی دو؟ بولتے کیوں نہیں؟" ــــــ" میں نے ازراہِ مذاق قدرے متجسسانہ رنگ میں اس کے الفاظ دہراتے ہوئے کہا۔

" اجی یہ تو یونہی ۔ ۔ ۔ ۔ بس ــــــ کچھ طبیعت ــــــ پڑھتے پڑھتے ۔ ۔ ۔ ۔ اچاٹ ہو گئی ــــــ اور ذرا تفریحِ طبع کے لئے ادھر آ نکلا ــــــ" اس نے معقول بہانہ بنانے کی پوری پوری کوشش کی ــــــ

اتنے میں ہم ایک دوسرے کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ خیر وہاں سے کچھ ایسی ہی ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے ہم ہیپ کی طرف چل دیئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہاں سے سیر کے بہانے کھلے میدان کی ہوا خوری شروع کر دی۔ گو میرا ساتھی اب مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا مگر میں برابر اسے ادھر ادھر کے مذاق کرتا رہا۔ اور وہ بےچارہ مددگار بیچارہ ساتھ پھرتا رہا ــــــ

ہم پھر ہی رہے تھے کہ نزدیکی پہاڑی کی طرف سے کسی کے رونے کی آواز آنے لگی ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک دو بار تو ایسے محسوس ہوا کہ جیسے رونے والے کی چیخ نکل جاتی تھی۔ شدتِ تکلیف کی وجہ سے وہ بری طرح سے کراہ رہا تھا۔ ہم دونوں نے بڑے غور سے بار بار آواز سنی ــــــ کبھی تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بچہ رو رہا ہے، جو اپنی ماں کی چھاتیوں سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اور کبھی خیال ہوتا کہ نہیں کوئی بڑی عمر کا آدمی ہے۔

بہرحال ہم بہت سہم سے گئے ــــــ اور ایک دو بار تو مارے ڈر کے جسم میں کپکپی شروع ہو گئی۔ میرا ساتھی بہت گھبرا گیا تھا۔ وہ بولا "محمود صاحب! معلوم ہوتا ہے کوئی بھوت وغیرہ ہے یا چڑیل ہے اس وقت بھلا آدمی کا کیا کام ــــــ؟"

مگر مجھے اس کی ایسی باتوں پر قطعاً یقین نہیں آ رہا تھا۔ بھلا یہ بھوت اور چڑیلیں ــــــ پاک ہستی اور ناپاک مخلوق ــــــ یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

" نہیں زاہد! چڑیل وغیرہ قطعاً نہیں ہو سکتی ــــــ چلو ذرا دیکھیں تو ــــــ!"

" اجی! آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ اس وقت بھلا پہاڑی کے دامن میں کسی آدمی کا کیا کام ــــــ؟ اور پھر ایسی شدید سردی میں ــــــ بھئی سچ کہتا ہوں میں تو نہیں جاؤں گا آپ کے ساتھ۔"

" نہیں تمہیں ضرور چلنا ہوگا میرے ساتھ ــــــ نہیں تو

کل تمام ہوسٹل میں تمہاری آج رات والی بات بتاؤنگا ——— !" مَیں نے اس پر رُعب جماتے ہوئے سختی سے کہا ——— اور وہ بے چارہ ڈر کا مارا میرے ساتھ پہاڑی کی طرف چلنے پر رضا مند ہوگیا ———

رونے کی آواز ابھی برابر آرہی تھی۔ مگر ابھی کوئی پندرہ بیس قدم ہی چلے ہوں گے کہ رونے کی آواز یکدم ختم ہوگئی اور زاہد فوراً گویا ہوُا" دیکھ لیا ناجناب نے مَیں نے نہ کہا تھا کوئی چھلاوا وغیرہ ہے جو ہمیں ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے ——— بھیّا کیوں مجبور کر رہے ہیں آپ مجھے موت کے مُنہ میں جانے کے لئے ؟" مگر میں برابر اصرار کرتا ہوُا آگے بڑھتا رہا۔

چنانچہ پہاڑی کے نزدیک پہنچنے پر معلوم ہوُا کہ وہ اسلم صاحب ہیں۔ وہی ہمارے مولانا اسلم ——— میں انہیں وہاں دیکھ کر کچھ بوکھلا سا گیا ——— سوچنے لگا" یہ یہاں بیٹھے کیوں رو رہے ہیں ؟"

ابھی کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ زاہد نے سوال کیا"مولوی صاحب! کس کی یاد میں رو رہے تھے آپ ؟"

" اپنے معشوق کی یاد میں ——— " جواب ملا۔

اور مجھ سے نہ رہا گیا۔" واہ جی واہ! عاشق کو عاشق ملے کر کے لمبے ہاتھ۔ اُدھر زاہد صاحب اپنے معشوق کی یاد میں باتیں کر رہے تھے تو اِدھر اسلم صاحب معشوق کی یاد میں رونے لگ گئے۔"

" محمود بھیّا! ہم تو جس معشوق کی یاد میں روتے تھے وہ ہمیں ملا بھی ہے' اس نے ہم سے پیار بھی کیا ہے اور خوب ہمیں اپنی محبت کا یقین دلایا ہے ———"

" ارے وہ کیسے ؟" زاہد صاحب نے بڑا حیران ہو کر پوچھا۔

" ہاں! ہاں! بتا دیں نا اسلم صاحب انہیں۔ یہ تو بے چارے چاند کو بُلا بُلا کر تھک گئے ہیں۔ مگر ان کے چاند نے نہ بولنا تھا نہ ہی بولا ——— " مَیں نے ازراہِ مذاق کہا۔

" اجی صاحب! چاند کب بولے گا ——— ؟ یہ دنیاوی چاند کبھی نہیں بولتے۔ اُس چاند سے لو لگائیے جو ان چاندوں کا خالق ہے۔ جو اِن کا بنانے والا ہے اور سب چاندوں سے بڑھ کر خوبصورت چاند ہے۔ پھر دیکھئے وہ بولتا ہے یا نہیں ——— ...." اسلم بہت کچھ کہتا گیا۔ اور مَیں بُت بنے سُنتا گیا.....

مجھے آج تک دُعا کی خصوصیات کا علم نہیں تھا۔ مجھے آج تک دُعا ایک بے معنی چیز معلوم ہوتی تھی ——— مگر اسلم کی باتوں سے کچھ اس طرح متاثر ہوُا کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

زاہد تو اسلم کی خشک باتوں کو زیادہ دیر نہ سُن سکا اور چلا گیا۔ مگر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اسلم کو چُوم لوں۔ اتنے اچھے آدمی کو ——— میری سفارش پر اسلم پھر نفل پڑھنے پر رضامند ہوُا۔ مَیں نے وہیں اسلم کے لائے ہوئے پانی سے وضو کیا اور خوب رو رو کر دُعا کی ——— اپنے لئے بھی اور اپنی والدہ کے لئے بھی ———

اور نہ جانے ہم کتنے بجے واپس آئے طبیعت بالکل ہلکی ہو چکی تھی۔ اور عجب بشاشت سی پیدا ہوگئی تھی چنانچہ آتے ہی نیند آگئی ——— کوئی آٹھ بجے آنکھ کھلی ——— اور وہ بھی دروازے پر بار بار Knocking کی وجہ سے۔ معلوم ہوُا گاؤں سے ایک آدمی آیا ہے فوراً باہر نکلا ——— اور اس سے یہ معلوم کر کے انتہائی تشویش ہوئی کہ میری والدہ بڑی سخت بیمار ہیں۔ چنانچہ اُسی وقت تیاری کر کے گاؤں روانہ ہوگیا۔ کوئی گیارہ بجے گاؤں پہنچ گیا۔ مگر وہاں معاملہ بالکل ہی اَور تھا۔ اور مجھے اپنی والدہ کو دیکھ کر یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ بیمار بھی ہوئی تھیں۔ گو اُن کی طبیعت میں کمزوری تھی مگر وہ اُٹھ کر چارپائی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ رات کو ان کی حالت بڑی خراب ہو گئی تھی اور بچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ مگر سحری کے وقت اچانک ہی انہیں آرام آنا شروع ہو گیا۔

جمعرات کو میں یہاں واپس آ گیا۔ جمعہ کی صبح کو اسلم سے ملا۔ اور اس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اس کی والدہ بھی کافی حد تک ٹھیک ہو چکی ہیں۔

اُس دن سے میں دل سے دُعا کا قائل ہو چکا ہوں اور اسلم کو بھی مولانا کہنا چھوڑ دیا ہے۔ وہ واقعی ایک قابلِ قدر آدمی ہے ——

● —— ایک ماں نے بیٹے کو جھوٹ بولنے پر یہ سزا دی کہ وہ اپنے کمرہ میں چلا جائے اور اُسے اُمّی نہ کہے —— بچہ تین گھنٹے تک اپنے کمرہ میں بیٹھا رہا پھر والدہ کے کمرہ میں پہنچا اور کہنے لگا —— "محترمہ! کیا اب میں آپ کو اُمّی کہہ سکتا ہوں —— ؟"

● —— امپائر اکثر گیم کو روشنی کم ہونے پر بند نہ کرنے پر اصرار کیا کرتے ہیں —— ایک بار یہی صورتِ حال ایک میچ میں پیش آ گئی۔ بلّہ بردار نے روشنی کی کمی کا عذر پیش کر کے گیم بند کرنے کی درخواست کی۔ مگر امپائر نے تسلیم نہ کیا۔ بلّہ بردار نے فوراً جیب سے دیا سلائی نکال کر جلا لی —— "اِس کی کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔ کیا تم بال کو نہیں دیکھ سکتے —— " امپائر نے مذاق کیا۔ "نہیں —— میں یہ چاہتا ہوں بال مجھے دیکھ سکے"۔

مُبَشّر احمد طاہرؔ

نعت

بے نوا و بے صدا کی دستگیری کے لئے
منبعِ رحمت شفیعِ دو جہاں پیدا ہوئے

وسعتِ آفاق میں اِک غلغلہ سا مچ گیا
جوہرِ انسانیت کے پاسباں پیدا ہوئے

رنگِ ظلمت ہو گیا مدغم اُجالے میں تمام
جب وہ نُورِ عافیت کے پاسباں پیدا ہوئے

تیرگی ڈھلنے لگی رنگِ طلوعِ صبح میں
حُجلۂ بطحا سے نُورِ جاوداں پیدا ہوئے

شامِ غم صبحِ مسرّت بن گئی یکسر ندیم
جب نوید آئی کہ سردارِ جہاں پیدا ہوئے

ذرّہ ذرّہ جگمگا اُٹھا وفورِ نُور سے
آج یکتائے جمال و حسنِ شاں پیدا ہوئے

کالج سٹاف گزٹ

ہم المنار کے دفتر سے بول رہے ہیں ——

اس گزٹ کی چیدہ چیدہ خبریں مندرجہ ذیل ہیں :-

● صاحب پرنسپل صاحب نے طلباء کی جنرل نگرانی کے لئے "پراکٹوریل" نظام کا قیام فرمایا ہے۔ اس نظام کے پہلے صدر پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب ہوں گے۔

● پروفیسر اخوند صاحب ٹی۔ ان۔ سی بنا دیئے گئے۔ آپ کو "آرٹس فیکلٹی" کے ہیڈ کا عہدہ بھی سونپا گیا ہے۔

● پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب سائنس فیکلٹی کے "کرتا دھرتا" ہوں گے۔

● اور پروفیسر خالد صاحب ہیڈ آف دی اردو ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ attendance controller بھی ہوں گے۔

لیجئے اب آپ مکمل خبریں پڑھیئے ..... مکرم پرنسپل صاحب نے طلباء کی جنرل نگرانی کے لئے پراکٹوریل نظام کا قیام فرمادیا ہے۔ اس کے قائم کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوگا کہ کالج کے باہر طلباء کے کاموں کی جنرل نگرانی کی جائے اور کالج کا اخلاقی معیار بلند کیا جائے "رندانِ قدح خوار" کے لئے یہ خبر ایک "حادثۂ عظیم" سے کم نہیں۔ بہرحال ہم مخبری کرتے ہوئے یہ خبر آپ تک پہنچا رہے ہیں

—— ہشیار باش ——!

● مکرم پروفیسر خواجہ عبدالقادر صاحب کو ٹیوٹوریل بنا دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ ہیڈ آف دی آرٹس فیکلٹی بھی ہیں —— آرٹس کے طلباء تو اپنے اس "عظیم ہیڈ" کی تقرری کی خبر سنتے ہی سہم گئے ہیں ——

اب آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا ؟

● پروفیسر میاں عطاء الرحمٰن صاحب کو سائنس فیکلٹی کے "ہیڈ" کا عہدہ تفویض کیا گیا ہے۔ اللہ مبارک کرے۔ سائنس کے طلباء کافی حد تک مسرور نظر آتے ہیں کیونکہ انہیں مرنجاں مرنج قسم کے بزرگ کے زیرِ سایہ رہنے کا موقع ملے گا۔

● مکرم پروفیسر محبوب عالم صاحب خالد کا تقرر Controller of attendence کے "عظیم عہدہ" پر کیا گیا ہے —— "آزاد خیال" قسم کے طلباء کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے، انہیں اپنی "حاضریوں" کی فکر کرنی چاہیئے ——!

ایک تخیل

—— الیاس احمد شاہین

تُو نے چپکے سے مجھ کو سونپ دیئے
مضمحل چاند مضطرب تارے
اِک سسکتا ہوا دلِ ناشاد
اَن گنت آنسوؤں کے انگارے